الأوراقُ البَغدایّة فِی الحَوادثِ النَّجدِیّة

بنام

بلائے نجدیہ

مؤلّف

حضرت علامہ ابراہیم بن محمد الرّاوی الرّفاعی علیہ الرحمہ

مترجم ومُحشّی

حضرت مولانا ابوحمزہ محمد عمران المدنی مدظلہ

ناشر

جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

نور مسجد، کاغذی بازار، میٹھادر، کراچی، فون:32439799

نام کتاب	:	بلائے نجدیہ
مؤلف	:	حضرت علامہ ابراہیم بن محمد الرّاوی
مترجم ومُحشّی	:	مولانا ابوحمزہ محمد عمران المدنی
سن اشاعت	:	صفرالمظفر ۱۴۳۳ھ/ جنوری ۲۰۱۲ء
تعداد اِشاعت	:	۳۰۰۰
ناشر	:	جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

نور مسجد کاغذی بازار میٹھادر، کراچی، فون:32439799

خوشخبری: یہ رسالہ website: www.ishaateislam.net پر موجود ہے۔

فہرست مضامین

پیش لفظ

سچے خُدا کے سچے نبی نے خبردی کہ یہ اُمّت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور سوائے ایک کے سب کے سب دوزخ میں جائیں گے، اور اُن فرقوں میں سے ایک فرقہ وہّابیہ بھی ہے، مُخبر صادق ﷺ نے جس سے "هُنَاکَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا يَطْلَعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ" کے کلمات میں اُمّت کو خبردار کردیا، اِس فرقہ کی پیدائش ہی سے علماء دین نے اِس کا ردّ اور اِس کی گمراہی سے اُمت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو خبردار کرنا شروع کیا اور بانیٔ وہابیّت محمد بن عبدالوھاب کے اپنے بھائی علامہ سلیمان بن عبدالوھاب نے بھی "الصّواعق الإلٰهية في الرَّدِّ علی الوهَّابية" کے نام سے اِس کی گمراہی کا ردّ کیا۔

حقائق سے بے خبر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پوری دنیا وہابیّت کی مخالف نہیں صرف بریلوی لوگ ہی اِن کی مخالفت کرتے ہیں، اور لوگوں کو سُنا گیا ہے کہ وہ خاص طور پر یہ الزام امام اہلسنّت امام احمد رضا کو دیتے ہیں، حالانکہ اِس باطل فرقے کی ابتداء عرب میں ہوئی اور علماءِ عرب نے ہی اِس کی مخالفت میں پہل کی اور بھرپُور ردّ کیا، پھر جیسے جیسے یہ گمراہی دنیا میں پھیلتی گئی دیگر علماء کرام نے بھی اپنا فرض ادا کرتے ہوئے اس فرقہ کا ردّ شروع کردیا اور جہاں جہاں اِس فرقہ کو تسلّط حاصل ہوتا گیا، وہاں کے علماء اور عوام اہلسنّت کو مشرک قرار دے کر یہ لوگ اُن پر ظلم وستم ڈھاتے رہے، اور دنیا کی مختلف زبانوں میں اِس باطل فرقہ کا ردّ اور اُن کے مظالم کی داستانیں تحریر ہوئیں۔

ہمارا مقصد یہ تھا کہ اِس باب میں ہندوپاک کے علاوہ دیگر علماء کی تحریروں کو اردو زبان میں منتقل کرکے عام مسلمانوں کے سامنے لایا جائے تاکہ وہ اِس فرقہ کی حقیقت سے باخبر ہوکر وہ اپنے متاعِ عزیز ایمان کی حفاظت کا سامان کرسکیں اور دوسری طرف یہ تأثر بھی ختم ہوکہ صرف بریلوی حضرات ہی اِن کے مخالف ہیں اور دوسرا کوئی نہیں، اِس سلسلہ میں جمعیّت

اشاعت اہلسنّت (پاکستان) نشر واشاعت کی کمیٹی نے علامہ ابراہیم بن محمد راوی کی کتاب "الأَوْراقُ البَغْدَادِيَّة فِي الْحَوَادِثِ النَّجْدِيّة" کا انتخاب کیا اور اپنے جامعہ کے ایک مدرّس ممتاز عالم دین حضرت علامہ محمد عمران مدنی صاحب کی خدمت میں اِس کام کو انجام دینے کی التماس کی حضرت نے اِس خدمت دینی کو قبول کرتے ہوئے سلیس اردو میں اس کا ترجمہ کیا اور جس قدر کُتُب میسر آئیں تخریج فرمائی اور جہاں ضرورت محسوس کی حواشی تحریر کئے، حضرت ایک عرصے سے اِس جامعہ میں درس وتدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں اور ساتھ ہی "دارالافتاء" میں تدریب کے لئے اِس حقیر کے پاس بھی حاضر ہوتے رہے اور ماضی قریب میں گارڈن کے علاقے میں واقع محمدی مسجد میں ایک دارالافتاء بنام "دارالافتاء محمّدی" کا قیام عمل آیا ہے، اور وہاں پر آنے والے استفتاء کا جواب لکھ کر موصوف میرے پاس تصدیق کیلئے لاتے ہیں، الحمدللہ افتاء میں اچھی مہارت رکھتے ہیں اور ساتھ محنتی بھی ہیں جو اُن کی تحریر سے بھی ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو علم دین کی خدمت کی مزید توفیق مرحمت فرمائے اور ان کی اِس سعی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین

اِس طرح جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان) اِس کتاب کو اپنے سلسلہ اشاعت نمبر 213 پر شائع کررہی ہے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل اراکینِ جمعیّت اور مترجم ومُحشّی کی اِس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اِسے عوام وخواص کے لئے نافع بنائے۔

محمد عطاء اللہ نعیمی

(شیخ الحدیث ورئیس دارالافتاء، جامعۃ النور، جمعیّت اشاعت اہلسنّت، پاکستان)

سخن ہائے گفتنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''سب فرقے صحیح ہیں'' یہ جملہ یقیناً کئی لوگوں کے لئے غیر مانوس نہیں ہوگا، کئی حضرات اِسی سُر کی راگنی الاپتے ہمیں اپنے اردگرد نظر آتے ہیں، جہاں کہیں عقائد کے عنوان پر گفتگو شروع ہوتو اِس قول کے قائل ''سب صحیح ہیں'' کا منتر پڑھ کر غائب ہو جاتے ہیں، آخر ایسا کیوں؟ کیا واقعی سب (فرقے) صحیح ہیں؟ یا ہمارے اندر حقیقی اسلامی عقائد کی معرفت کا جذبہ سرد پڑتا چلا جا رہا ہے؟ یا ہم نے اِس اہم دینی مبحث کو فقط مولویوں کا جھگڑا سمجھ لیا ہے؟

ذرا غور تو فرمایئے! کیا اندھیرا اور اُجالا بھی یکساں ہوسکتا ہے؟ کیا خیر و شر میں بھی تساوی کی نسبت ہوسکتی ہے؟ کیا بینا اور نابینا بھی باہم برابر ہوسکتے ہیں؟ عقلِ سلیم کا حامل کوئی فرد بھی اِن اشیاء میں باہمی مساوات تسلیم نہیں کرتا تو پھر آخر مذہبی فرقے جن کے اعتقادات باہم ایک دوسرے کے متضاد و مخالف ہیں، کس طرح سب کے سب درست ہوسکتے ہیں؟ اُن کے بارے میں ''سب صحیح ہیں'' کہنا کس حد تک صحیح ہوسکتا ہے؟ آیئے اِس قول یعنی ''سب صحیح ہیں'' کی صحّت کی کیفیت بارگاہِ رسالت مآب ﷺ سے معلوم کریں کہ صادق مصدوق ﷺ کی عطا کردہ خبر شک و شبہ سے یقیناً بالاتر ہے چنانچہ ہمیں یہ حدیث پاک آئینۂ حقّ دکھاتی ہے:

وَ اِنَّ بَنِی اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ ثِنْتَیْنِ وَ سَبْعِیْنَ مِلَّۃً وَّ تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلاثٍ وَّ سَبْعِیْنَ مِلَّۃً، کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَّاحِدَۃً، قَالُوْا: مَنْ ھِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، قَالَ: ''مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ'' (مشکاۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب الإعتصام بالکتاب و السنّۃ، الفصل الثّانی، برقم: ۱۷۱-(۳۲)، ۱/۵۴)

یعنی، ''بے شک بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور میری اُمّت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی وہ سب کے سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک گروہ

کے''، عرض کیا گیا: وہ کون ہیں؟ فرمایا: ''جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں''۔

اِس فرمان عالیشان کی ضیاء پاشیوں میں اِس قول ''سب صحیح ہیں'' کا بُطلان بشرطِ ایمان وایقان باخوبی نظر آرہا ہے۔

محترم قارئین! سابقہ گفتگو سے یہ اظہرُ منَ الشّمس ہوگیا کہ مقولہ ''سب صحیح ہیں'' فی نفسہٖ صحیح نہیں، اب رہا یہ معاملہ کہ وہ ناجی فرقہ کون سا ہے کہ ہر فرقہ اسلام کا حقیقی علمبردار ہونے کا قائل اور دیگر کی تضلیل میں شاغل ہے فقط اتنا ہی نہیں بلکہ ہر فرقہ کے سرکردہ افراد اپنی حقّانیّت پر قرآن و حدیث سے استدلال کرتے ہیں، مگر کیا کسی دعویٰ پر صرف کوئی آیت یا حدیث کا پڑھ دینا ہی کافی ہے اور اِسی سے وہ دعویٰ ثابت ہو جائے گا؟ نہیں بلکہ مُدّعی خواہ کسی فرقہ کا فرد ہو اوّلاً دیکھا یہ جائے گا کہ آیت و حدیث کا جو مطلب اُس نے بیان کیا ہے وہ تعلیم محمّدی اور تعلیمِ صحابہ اور تابعین کے خلاف تو نہیں، اگر اُس کا بیان کردہ معنی اُن حضرات کے فرامین کے مطابق ہے تو قبول اور اگر مخالف ہے تو مردود ہوگا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ پاک و ہند بلکہ تمام ہی عالَم میں مکین مسلمانوں کا اعتقادی حوالے سے اگر جائزہ لیا جائے تو وہ دو بڑے دھڑوں میں منقسم نظر آتے ہیں، اہلسنّت والجماعت جن کی اکثریت کو آج کل ''بریلویوں'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے یا پھر فرقۂ وہّابیہ جو کہ خود دو طبقات میں منقسم ہے اُن میں کے مُقلّدین دیوبندی، اور عدمِ تقلید کے قائل غیر مُقلّد نام نہاد ''اہلحدیث'' کہلاتے ہیں۔

پاک و ہند کی عوام اِس معاملہ میں زبردست تذبذب کا شکار ہے کہ فرقۂ ناجیہ کونسا ہے؟ اِس تذبذب کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حق پر آگاہی پانے کے ارادے سے دونوں مسلک کے نظریات کو قرآن وحدیث کے میزان پر تولنے کے بجائے کئی افراد تو اِس نظریاتی اِختلاف کو پاک و ہند کے سُنّی اور دیوبندی علماء کا باہمی جھگڑا قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ سُنّی وَہابی اختلاف فقط پاک و ہند کی سرزمین پر ہے، پاک و ہند ہی کے علماء نے وہابیوں کی تردید و مذمّت میں کتابیں لکھی ہیں جب کہ دیگر ممالک میں وہابی عقائد کے حامل افراد کو متصلّب مسلمان

سمجھا جاتا اور عزّت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، بہر حال یہ فکر غلط فہمی یا عدمِ تتبّع کی پیداوار ہوں یا تجاہلِ عارفانہ کا اظہار، اس سوچ کا یکسر غلط ہونا ابھی ظاہر ہو جاتا ہے، اگر یہ سوچ غلط فہمی کی بناء پر قائم ہے تو اُس کی بنیاد عدمِ تحقیق ہے کہ عدمِ وجدانِ شئے، عدمِ شئے کی دلیل نہیں، کسی شئے پر عوام کا مطلع نہ ہونا، اُس چیز کے معدوم ہونے کی دلیل ہرگز نہیں ہوسکتا، حقیقت یہ ہے کہ اس نو پید فرقہ ''وہابیہ'' کی اور اس کے بانیوں کی تردید میں ہر عصر و بلد کے علماء نے تحریری و تقریری جہاد کیا اور اِس فرقۂ ضالّہ کی اور اِس کے بانیوں کے مکر و فریب کی قلعی کھول کر دکھ دی بطورِ شہادت پاک و ہند کے نہیں بلکہ عرب کے جلیل القدر عالم سیّد احمد بن زینی دحلان علیہ رحمۃ اللہ الحنّان جو کہ مفتی حرم اور امام حرم ہیں اُن کی زبانی اِس فرقۂ ضالّہ اور اُس کے بانی کی مختصر تاریخ سنئے علاّمہ موصوف لکھتے ہیں: محمد بن عبد الوہاب نجدی ۱۱۱۱ھ بمطابق ۱۷۰۵ء میں پیدا ہوا، یہ کم سنی میں مدینہ طیّبہ میں علم حاصل کرتا رہا، اُس کا مدینہ طیّبہ اور مکّۂ مکرّمہ میں آنا جانا رہتا تھا، اس کا تعلق قبیلۂ بنو تمیم سے تھا، اُس نے مدینۂ منوّرہ کے متعدد علماء سے علم حاصل کیا، مِن جُملہ اُن اساتذہ میں علاّمہ محمد سلیمان کردی شافعی، اور علاّمہ محمد حیات سندی حنفی بھی تھے، اِن دونوں حضرات نے اور دیگر علماءِ کرام نے محمد بن عبد الوہاب میں اِلحاد اور گمراہی کی علامتیں پائی تھیں، یہ حضرات اُس کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ عنقریب یہ گمراہ ہو جائے گا اور اُس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس کے مابعد کے لوگوں کو گمراہ اور شقی کرے گا، پس ایسا ہی ہوا، اور ان مشائخ نے مومنانہ فراست سے جو اَمر دیکھا تھا وہی ظہور میں آیا، خود اُس کے والد صاحب نے اُس میں موجود اِلحاد کی علامات دیکھی تھیں اور وہ اُس کی برائی بیان کرتے اور لوگوں کو اُس سے اجتناب کرنے کا حکم دیتے، محمد بن عبد الوہاب نجدی کے بھائی علامہ سلیمان بن عبد الوھاب نے تو اُس کی گمراہی کے اِثبات اور عقائد باطلہ کی تردید میں ''الصَّواعقُ الإلٰهيّة فی الرّدِّ علی الوَهّابيَّة'' نامی کتاب بھی لکھی۔ (الدُّرَرُالسِّنيَّة فی الرَّدِّ علی الوَهَّابِيَّة، ص۴۳)

مزید فرماتے ہیں: محمد بن عبد الوھّاب نجدی نے جب اپنے عقائدِ باطلہ اور نظریاتِ فاسدہ کے اظہار کا قصد کیا تو وہ مدینۂ منوّرہ سے خُروج کر کے مشرق کی طرف چلا گیا، یہ لوگوں

کو عجیب و غریب باتیں بتاتا اور اُنہیں سمجھاتا کہ جن عقائد و نظریات پر لوگوں کی اکثریت ہے وہ سب شرک و گمراہی ہے، پھر بتدریج اُس نے اپنے عقائدِ باطلہ ظاہر کرنا شروع کئے اور اَن پڑھ و گنوار لوگوں نے اُس کے عقائد کو قبول کر لیا، پھر ۱۱۵۰ھ میں نجد اور اُس کے مضافات میں اُس کی شہرت ہوئی اور امیر محمد بن سعود اُس کی پُشت پناہی کرنے لگا، اُس نے شیخِ نجدی کو اپنے ملک کی وسعت کا ذریعہ بنالیا اور اہلِ دَرعیّہ کو اُس کی متابعت پر آمادہ کر لیا یوں دَرعیّہ اور اُس کے گرد و نواح کے کثیر افراد اُس کے پیرو بن گئے۔ (أیضاً، ص ٤٤)

اِزالۂ اَوہام اور اِحقاقِ حق کے لئے ہم بالقصد فقط اُن علماء کے اَسماء بمع اَسماءِ کُتُب ذکر کرتے ہیں، جنہوں نے فرقۂ وہابیہ اور اُس کے سرکردہ افراد کی مذمّت میں کتابیں لکھیں جن کا تعلق پاک و ہند سے نہیں ہے۔ **فنقول و بالله التوفيق**

۱۔ **الاتّجاهُ السَّلفی بين التّأصِيل و المَواجهَةِ، للعلّامة راجح الکردی**، یہ کتاب دار عمار سے طبع ہو چکی ہے۔

۲۔ **اِزهاقُ الباطل فی ردِّ شبهِ الفِرَق الوهّابيةِ،للعلّامة محمد بن عبد الوهّاب بن داؤدالهمذانی المتوفی** ۱۳۸۴ھ، یہ کتاب ۱۹۰۱ء میں مصر کے المطبعۃ العمومیۃ کے تحت شائع ہوئی۔

۳۔ **البراهينُ الجليّة فی تشکيکات الوهّابيّة، للعلّامة محمد حسن قزوينی الدّائری**، یہ کتاب ۱۳۴۶ھ میں مطبعۃ العلویۃ سے، پھر ۱۳۸۲ھ میں نجف سے مطبعۃ الآداب سے شائع ہوئی۔

۴۔ **تَبيينُ الحَقِّ و الصَّوابِ بالرَّدِّ علی اتباعِ ابن عبد الوهّاب، للعلّامة محمد توفيق بن نجيب سوقيه**، یہ کتاب دمشق میں مطبعۃ الفیحاء کے تحت شائع ہوئی۔

۵۔ **تطهيرُ الفؤادِ من دَنَسِ الإعتقاد، للعلّامةمحمدبخيت المطيعی المتوفّی** ۱۳۵۴ھ

۶۔ **شبهات الوهّابية، للعلّامة حسن بن أبی المعالی محمد**، یہ کتاب نجف میں

طبع ہوئی۔

۷۔ الحقائقُ الإسلامیّة فی الرَّدِّعلی المزاعمِ الوهّابیة بأدِّلّةالکتابِ والسُّنَّةالنَّبویَّة، للعلّامة مالک بن الشّیخ داؤد(من علماء مالی)

۸۔ شمس الحقیقة و البدایة علی أهل الضّلالة والغَوایَةِ، للعلّامة أحمد علی بدر

۹۔ صلحُ الأخوان مِن أهلِ الإیمان و بیان الدِّین القَیِّم، للعلّامة داؤد بن سلیمان بن جرجیس العراقی المتوفّی ۱۲۹۹ھ

۱۰۔ الصَّواعقُ الرّعُود فی الرَّدِّ علی ابنِ سعود، للعلّامة عبدالله بن داؤد زبیری المتوفّی ۱۲۲۵ھ

۱۱۔ غسلُ الدَّرنِ عمّا رَکبَهُ هذا الرَّجلُ مِن المِحَن، للعلّامة عثمان بن عبد العزیز بن منصور النّاصری التّیمی النّجدی المتوفّی ۱۲۸۲ھ

۱۲۔ فتنة الوهّابیة، للعلّامة أحمد زینی دحلان المتوفّی ۱۳۰۴ھ

۱۳۔ فصلُ الخِطاب فی رَدِّ ضَلالَاتِ ابنِ عَبدِالوَهّاب، للعلّامةأحمد بن علی بصری القبانی،(کان حیّا سنة۱۱۵۷ھ) یہ کتاب دوسوصفحات پر مشتمل بصورت مخطوط ہے۔

۱۴۔ الأقوالُ المَرضِیَّة فی الرَّدِّ علی الوَهَّابِیَّة، للعلّامة محمود عطاء الکسم المتوفّی ۱۳۵۷ھ، یہ کتاب ۱۹۰۱ء میں مصر کے *المطبعۃ العمومیۃ* سے طبع ہوچکی ہے۔

۱۵۔ کُفرُ الوَهَّابِیَّة، للعلّامة محمد علی القمّی الحائری، یہ کتاب ۱۹۴۵ء میں نجف کے *المطبعۃ الحیدریۃ* سے شائع ہوئی۔

۱۶۔ کَشفُ النِّقابِ عن عقائدِ ابنِ عَبدِ الوَهَّاب، للعلّامة علی نقی اللکهنوری المتوفّی ۱۲۸۹ھ، یہ عراق کے شہر نجف میں ۱۳۴۵ھ میں *المطبعۃ الحیدریۃ* سے شائع ہوئی۔

۱۷۔ لَفَحاتُ الوجدِ مِن فِعلاتِ أهلِ نَجدٍ، للعلّامةمحسن بن عبدالکریم بن

إسحاق الحسنی الیمنی، اِس کتاب کے دو نسخے صنعاء کے *مکتبۃ الجامع الکبیر* میں جب کہ ایک نسخہ ظہران کے مکتبہ ارامکو میں'' شرح أبیات فی الرَّدِّ علی الوهّابیّة'' کے عنوان سے موجود ہے۔

۱۸۔ مسائل وأجوبة ورُدود عَلیَ الخوارج، للعلّامة محمد بن سلیمان الکردی المتوفّی ۱۱۹۴ھ، یہ رسالہ حضرت کے فتاویٰ ''قرّة العین فتاویٰ علماء الحرمین'' کے ضمن میں مصر سے ۱۳۵۷ھ میں طبع ہو چکا ہے۔

۱۹۔ المَشاهِد المشرّفَةِ و الوَهَّابِیُّون، للعلّامةمحمد علی القمّی الحائری، یہ کتاب نجف کے *المطبعۃ العلویۃ* سے ۱۹۴۵ء میں شائع ہوئی تھی۔

۲۰۔ النفُحةُ الزَّکِیَّة فی الرَّدِّ علی شُبهةِ الفِرقَة الوَهَّابِیَّة،للعلّامةعبدالقادر الإسکندرانی

۲۱۔ الفجرُالصَّادقُ، للعلّامةجمیل أحمدآفندی یہ کتاب مطبع حقیقت کتابوی استنبول سے طبع ہوئی۔

۲۲۔ الدُّرَرُالسَّنِیَّةُ فی الرَّدِّ علی الوَهَّابِیَّة، للعلّامة أحمدبن زینی دحلان المتوفّی ۱۳۰۴ھ یہ کتاب مطبع حقیقت کتابوی استنبول سے۱۹۸۲ء میں طبع ہوئی۔

۲۳۔ الأَوراقُ البَغدادِیّة، فی الحَوَادِثِ النَّجدِیَّة، للعلّامة إبراهیم بن محمد الرّاوی یہ کتاب مطبع حقیقت کتابوی استنبول سے۱۹۸۲ء میں طبع ہوئی۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جس کا ترجمہ بمع حواشی قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

محمد عمران مدنی
مترجم و محشی ''الاوراق البغدادیہ''
مدرّس جامعۃ النور و خادم دارالافتاء محمدی، گارڈن

حالاتِ مؤلّف

از محمد عمران المدنی

نام ونسب

حضرت علاّمہ ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن رجب راوی علیہ رحمۃ اللہ الھادی

ولادت

آپ کی ولادتِ باسعادت ''عراق'' کے گاؤں ''رواۃ'' میں ہوئی، سالِ ولادت پر اطلاع نہیں ہوسکی، بہر حال ۱۲۹۲ھ میں آپ بغداد معلّیٰ میں درس وتدریس کی مَسند پر فائز ہوئے تھے، اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت ۱۲۶۰ھ اور ۱۲۷۰ھ کے درمیان ہوئی۔

سلسلۂ طریقت

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''سلسلۂ رفاعیہ'' سے وابستہ تھے اور خود ایک عظیم صوفی تھے اور اولیاءِ کرام سے سچّی عقیدت رکھا کرتے تھے آپ ایک عظیم مُحقِّق وعالم ہونے کے ساتھ ساتھ شیخِ طریقت بھی تھے اور ''رفاعیہ'' سلسلے ہی میں بیعت کیا کرتے تھے، کئی لوگوں نے آپ کے دستِ حق پر بیعت کی۔

درس وتدریس

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جلیل القدر علمی شخصیت تھے،۱۲۹۲ھ میں آپ نے بغداد معلّیٰ میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرمایا، تشنگانِ علم آپ کے علمی فیضان سے سیراب ہونے کے لئے آپ کے چشمۂ علم وحکمت پر جمع ہوتے اور اپنی پیاس بجھاتے۔

سیاحت

علماءِ حقّہ کی سیرتِ طیّبہ کا ایک جُزءِ مشترک سیّاحت نظر آتا ہے، تعلیم وتعلّم کے لئے، حصولِ عبرت کے لئے، علمِ دین کے فروغ کے لئے، اقطارِ ارض میں سفر کرنا اُن کا وطیرہ رہا، حضرت ابراہیم راوی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے بھی بغداد، موصل اور دمشق کی طرف سفر کئے۔

تصانیف

عالم کے علمی کمال کا اندازہ اُس کے شاگردوں کی علمی قدر ومنزلت دیکھ کر کیا جاتا ہے یا پھر اُس کی کُتُب دیکھ کر اِس حوالے سے بھی علاّمہ ابراہیم راوی کی شخصیت قدر آور نظر آتی ہے، آپ کی اکثر کُتُب ورسائل علم الکلام وردّ اہل الضّلال پر مبنی ہیں، آپ کی کتابوں کے چند اسماء یہ ہیں:

۱۔ الحُسورُ الشَّرِيعة فى انْتِقَادِ نَظريَّاتِ أهلِ الهيَّئةِ والطَّبعيّة

۲۔ الأَوراقُ البَغدَادِيَّة فى الحَوادِثِ النَّجديّة (اِسی کتاب کا ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہے)

۳۔ الأَدِلَّة العَقَلِيَّة

۴۔ الفَسْلَفَة الإِسْلامِيَّة

۵۔ دَاعِي الإِرْشَاد

(الأعلام، ۱/۷۲۔ معجم المؤلّفين، ۱/۱۰۰)

وصالِ پُرملال

آپ کا انتقال بغدادِ معلّیٰ میں ہوا اور وہیں آپ کی تدفین ہوئی ہے۔

الأَوْرَاقُ البَغْدادِيَّة فِی الحَوَادِثِ النَّجْدِیّة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو حمد وثناء کئے جانے کا سزاوار ہے اور درود وسلام کا نُزول ہو اُس ذاتِ اقدس پر جن کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا اور اُن کی آل اور اُن کے اَصحاب پر، حمد وصلوٰۃ کے بعد اپنے ربِّ کریم کی رحمت کا محتاج بندہ ''ابراہیم راوی رفاعیؒ'' کہتا ہے میں نے اپنی کتاب ''اللّمعات مَاجَرَی فِی الحِجَاز'' میں عبدالعزیز بن سعود (۱) کے

۱۔ عبدالعزیز بن سعود (متوفّی ۱۸۱۴ء) انتہائی ظالم اور سفّاک آدمی تھا اُس نے ظلم وجبر میں اپنے باپ سعود بن عبدالعزیز کو بھی پیچھے چھوڑ دیا اور حرمین شریفین میں قتل و غارت گری کی ایسی آگ لگائی جس میں ہزاروں مسلمان جھلس کر رہ گئے، سعود اور اُس کے بیٹے عبدالعزیز بن سعود کے اِن سیاہ کارناموں کی جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں:

مکۂ مکرمہ پر حملہ: سردار محمد حسن بی اے مُؤرّخ لکھتے ہیں کہ سعود جو اُس وقت رُسوائے عالم ہو چکا تھا، حجاز کی طرف بڑھا اور لگے ہاتھوں طائف پر قابض ہو گیا، اور وہاں سے گرد ونواح میں افواج بھیجنے لگا، شریف کے پاس کوئی قابلِ ذکر فوج نہیں تھی، مقابلہ کی تاب نہ لا کر جدّہ چلا گیا، اپریل ۱۸۵۳ء میں سعود بلا مزاحمت مکّۂ مکرّمہ میں داخل ہو گیا، وہّابی مدّت سے اُدھار کھائے بیٹھے تھے کہ اصل اصلاح مکّہ سے کی جائے گی، اور ہر وہ چیز جس میں کُفر وشرک کا شائبہ پایا جاتا ہو فنا کر دی جائے گی، چنانچہ اب مقدس مزارات توڑ پھوڑ دیئے گئے، زیارت گاہوں کی بے حُرمتی کی گئی، حرمِ کعبہ کے غلاف پھاڑ دیئے گئے، وہابیوں کے معتقدات کے مطابق جس قدر شعائر یا رسومات قرآن وسنّت کے خلاف تھیں یکلخت ممنوع قرار دی گئیں۔ (سوانح حیات سلطان ابن سعود، ص ۴۸)

اب ایک گھر کی گواہی بھی ملاحظہ فرمائیں کہ اِن سیاہ بختوں نے واقعۃً مزاراتِ انبیاء وصلحاء ڈھا دیئے:

محمد بن عبدالوھّاب نجدی کا بیٹا عبداللہ بن محمد نجدی لکھتا ہے: آج کل انبیاء اور صالحین کی قُبور اور اُن پر جو گنبد اور قُبّے بنائے گئے وہ بھی بطورِ ایک بُت کے ہیں لوگ اُن سے مرادیں مانگتے ہیں۔ وہاں جا کر رورو کر گڑ گڑا کر درخواستیں پیش کرتے ہیں۔ مصائب کے وقت اُن کو غائبانہ پکارتے ہیں بالکل اُسی طرح جس طرح زمانۂ جاہلیّت میں مُشرک پکارا کرتے تھے۔ ہماری اُس مجلس میں مکۂ مکرّمہ کے مشہور حنفی مفتی شیخ عبدالملک قلیعی اور مالکیہ کے مفتی شیخ حسین مغربی اور عقیل بن یحیی عکوی بھی موجود تھے۔ دلائل سے لوگوں کو مطمئن کر دینے کے بعد ہم نے وہ تمام قُبّے اور تمام مقام جن کی تعظیمًا واعتقادًا پرستش ہوتی تھی یا جن کی طرف لوگ نفع کی خواہش اور نقصان کے دفع کے لیے جاتے تھے منہدم کرا دیئے اور قبروں کے اُوپر کے تمام قُبّے وغیرہ گرا دیئے یہاں تک کہ اُس پاک خطہ میں غیر خُدا کی پرستش کا کوئی مقام باقی نہ

اُس مقدس سرزمین میں جو کہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے گہوارۂ اَوّل کی حیثیت رکھتا ہے،

رہا۔ (تحفۂ وھّابیہ: ص: ۵۹)

تبصرہ: قارئینِ کرام غور فرمائیں کہ انبیاءِ کرام اور اولیاءِ کرام کے مزارات پر قائم گنبدوں کو بُت کہا جارہا ہے مسلمانوں پر ارتکابِ شرک کا بہتان لگایا جارہا ہے، مزاراتِ مقدّسہ کو غیرُ اللہ کی عبادت کا مقام بتایا جارہا ہے۔

مشہور مؤرّخ سردار محمد حسن بی۔ اے وہابی بادشاہوں کا مکہ مکرمہ میں ظلم وتشدّد کے کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: یہ واقعہ ہے کہ سلطان ابنِ سعود کے احکام اس وقت اہالیانِ مکہ کے کام آئے شہر میں قتل وغارت نہ ہوا، طائف کے کُشت وخون کے متعلق انگریزوں نے زبردست احتجاج کیا تھا اور سلطان ابن سعود نے ارادہ کرلیا تھا کہ حجاز کے متعلق بقیہ کاروائیاں اُس کی ذاتی نگرانی کے ماتحت ہوں، چنانچہ شہر میں امن وامان کا اعلان کردیا گیا اور سلطان ابن بجاد شیخ عظ عظ نے عارضی طور پر شہری نظم ونسق سنبھال لیا، لیکن امن وامان قائم ہوجانے کے باوجود خوان بپھرے ہوئے تھے، انہیں اصرار تھا کہ مکہ کے مشرکین کی جانیں بچ جائیں تو بچ جائیں لیکن مقابر ومزارات ضرور منہدم کردیئے جائیں گے اور مساجد کی آرائشیں ضائع کردی جائیں گی، کیونکہ اُن کے اعتقاد کے مطابق اِن چیزوں کے وجود میں شرک کا شائبہ پایا جاتا ہے چنانچہ حرم کے تمام مقدّس مزارات جو صدیوں سے زائرین کے مرجع رہے تھے، آن کی آن میں تباہ وبرباد کردیئے گئے، اِس کاروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عالمِ اسلام میں غُصّہ واضطراب کی لہر اُٹھی۔ (سوانح حیات سلطان ابن سعود، ص ۱۵۵)

مشہور مؤرّخ سردار محمد حسن بی۔ اے لکھتے ہیں کہ وہابی، شجاعت اور فتوحات کے نشہ میں چُور تھے انہوں نے اب تک مزاحمت اور شکست کا منہ نہ دیکھا تھا، قُرب وجوار پر یورشیں کرتے تھے اور بڑے بڑے علاقوں کو لوٹ مار کر کے تباہ وبرباد کرتے رہے۔ ناظرین کو معلوم ہے فُرات کے ساحلی علاقوں میں کئی سو برس سے شیعوں کی کثیر آبادی ہے۔ عراق میں شیعہ عنصر کی کثرت تھی، اور اب تک ہے، وہابیوں کو سنیوں سے تو نفرت ہی تھی لیکن شیعوں کو یہ لوگ بہت ہی بُرا جانتے تھے۔ وہابیوں نے ۱۸۰۱ء میں سعود بن عبدالعزیز کی قیادت میں کربلا معلّیٰ پر حملہ کیا، اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقدّس مزار کو منہدم کردیا، کربلا معلّیٰ کی نہتّی اور امن پسند آبادی کا بیشتر حصّہ بلاقصور تہہ وتیغ کردیا، کربلائے معلّیٰ سے بصرہ تک کا تمام علاقہ خاکِ سیاہ کردیا، کروڑوں روپیہ کا مال واسباب لوٹ لیا، فتنۂ تاتار کے بعد عراق میں ایسا ظلم وفساد کبھی نہ ہوا تھا، دنیا بھر کے مسلمانوں میں ماتم کی صفیں بچھ گئیں، لیکن درعیہ نجد کے دارالسّلطنت میں فتح ونُصرت کے شادیانے بج رہے تھے۔ (سوانح حیات سلطان ابن سعود، ص ۴۷، ۴۸)

وہابیوں کے کربلا معلّیٰ پر ظلم وستم اور قتل وغارت کی تصدیق خود وہابیوں کے مستند عالم نواب صدّیق حسن

اُس میں اُس کے نافذ کردہ اُن اُمور کی جس نے عالم اسلام کے باہمی تعلقات کو توڑ کر رکھ دیا، تفصیل بیان کی ہے، پھر میں نے اِس بات کو محبوب جانا کہ اپنی اِس کتاب کی تلخیص کروں اور علیحدہ سے اُن مباحث کو چند ورقوں میں بیان کردوں تاکہ اصل کتاب میں مذکور مباحث پر مطلع ہوا جا سکے اور اِس کتاب کے ظاہر اور خفی مقامات میں نظر کی جا سکے، یہ تلخیص میں نے مسلمانوں کی خدمت اور لوگوں کے سامنے حضراتِ نجدیہ کی بُری سوچ بیان کرنے کے لئے کی ہے، میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں اور اُسی کے دستِ قدرت میں لگامِ تحقیق ہے۔

جاننا چاہیئے کہ نجد کے رہائش پذیر لوگ اہلِ سُنَّت والجماعت ہیں اور اُن میں سے اکثر افراد اُصول وفُروع میں حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے مُقلِّد ہیں (۲) اُن میں کئی لوگ علومِ نقلیہ میں علم وفضل کے حامل ہیں اور وہ شیئ جس کے سبب اُن کی تعریف کی جاتی ہے وہ اُن کا اُس جدید تہذیب سے کنارہ کَش ہونا ہے جو کہ بُرائیوں سے ملوّث ہے جو اسلامی اخلاق کے لیے تباہ کُن ہے لیکن اُن میں اکثریت عام لوگوں کی ہے جو علم سے

بھوپالی نے بھی کی ہے لکھتے ہیں: بعد فتحِ حصار کے عبدالعزیز کربلا کی طرف متوجہ ہوا اور وہاں جا کر خونریزی اور غارت کا بازار گرم کیا اور امام حسین کے مزار کا سامان سب لوٹ والوں پر مباح کردیا، وہاں کی آبادی اکثر ویران ہوگئی۔ (ترجمان وہابیہ، ص ۳۴)

۲۔ **امام احمد بن حنبل علیہ الرّحمہ کے حالات:** آپ کا مکمل نام یہ ہے: ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس ابوعبداللہ ذہلی شیبانی مروزی بغدادی امامِ برحقّ اور حقیقۃً شیخُ الاسلام ہیں۔ آپ یک از ائمّۂ اربعہ ہیں آپ کے مُقلِّدین ''حنبلی'' کہلاتے ہیں، آپ کی ولادتِ باسعادت ۱۶۴ھ میں ہوئی، آپ فقیہ، مجتہد، مُحدِّث، مُفسِّر تھے۔ عقلِ کامل اور فہم وفراست کے مالک تھے، اور انتہائی متقی شخص تھے، کئی اکابر علماء آپ کے علم وفہم، تقوی اور ورع کے معترف بلکہ معتقد نظر آتے ہیں، بربنائے اختصار فقط امام نسائی کی شہادت پر اکتفاء کرتے ہیں، امام احمد بن حنبل فقہ وحدیث کی معرفت زُہد ووَرَع، صبر ورضا سب کے جامع تھے، آپ کی وفات بغدادِ معلّی میں ماہِ ربیع الاول میں ۲۴۱ھ میں ہوئی، آپ کی چند تصانیف کے اسماء یہ ہیں: المُسنَد، کتاب الزُّهد، المَعرِفَة و التَّعليل، الرَّدُّ على الزَّنادِقَة والجَهميّة وغیرھا۔ (سيرأعلام النّبلاء، ۹/۴۳۴ تا ۵۴۷ ملخصاً)

نا آشنا ہیں۔(۳)

بالخصوص گروہِ اخوان کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے وہ شخص جس نے قرآن پاک پڑھا تک نہیں وہ قاریٔ قرآن سے کہتا ہے: تم قرآن پڑھو میں تمہیں اُس کی تفسیر بتاتا ہوں اور انہیں اپنے مُتعصّب اور غیر مُعتدل مزاج کے حامل مشائخ کی یہ تلقین ہے کہ قرآن پاک کی جو آیتیں مشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہیں انہیں مسلمانوں پر چسپاں کرنا چاہیے،(۴) یہ لوگ اللہ کے فرمان:.........

۳۔ **سردار محمد حسن بی۔اے لکھتے ہیں:** وہابی کیونکہ اکھڑ بدوں اور جاہل عرب تھے، اس لئے رفتہ رفتہ اِس قدر مُتعصّب ہو گئے کہ تُرک مسلمان کی جان لینے کو عین ثواب اور خدمتِ دین جانتے تھے، عام مسلمانوں کو مشرک سمجھتے تھے، اور اُن کے خلاف جنگ و پیکار کو جہاد کہتے تھے۔(سوانح حیات سلطان ابن سعود، ص۴۶)

۴۔ انہیں یہ چیز ''خوارج'' سے بطورِ وراثت ملی بلکہ انہیں اگر ''خوارج'' کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ''خوارج'' کو شریر ترین مخلوق سمجھتے تھے کیونکہ ''خوارج'' بُتوں سے متعلق آیات کو صالحین پر چسپاں کیا کرتے تھے(صحیح البخاری کتاب استتابة المرتدّین إلخ ،باب قتل الخوارج، ٤/٣١٥)

احادیثِ مبارکہ میں بیان کردہ اِس فرقہ کی علامات ملاحظہ فرمائیں: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ حُنین سے واپسی پر جعرانہ آئے اِس دوران ایک شخص آپ کے پاس آیا اِس حال میں کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کپڑے میں چاندی تھی اور نبی کریم ﷺ اُس سے مُٹھی بھر بھر کر لوگوں کو دے رہے تھے، اُس شخص نے کہا: اے محمّد (ﷺ)! انصاف کرو! آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری ہلاکت ہو! اگر میں عدل نہیں کروں گا تو عدل کون کرے گا؟ اگر میں انصاف نہ کرتا تو ناکام و نامراد ہو جاتا۔'' حضرت عمر بن خطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (ﷺ) مجھے اذن دیجئے کہ میں اِس کو قتل کر دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''معاذ اللہ! لوگ کہیں یہ نہ کہنے لگیں کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتا ہوں، یہ شخص اور اِس کے ساتھی قرآن پڑھتے ہیں مگر قرآن اُن کے گلوں سے نیچے نہیں اُترتا اور یہ لوگ دین سے یوں نکل جائیں گے جیسا کہ تیر نشانہ سے نکل جایا کرتا ہے۔''(صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب ذکر الخوارج و صفاتهم، برقم: ٢٤٣/١٤٢۔ (١٠٦٣) ص:٤٧٣)

حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت سراپا عظمت میں بیٹھے تھے، آپ ﷺ کچھ تقسیم فرما رہے تھے، بنو تمیم قبیلہ کا ایک شخص ذوالخُوَیصَرہ نامی آیا اور اُس نے کہا: یا رسول اللہ! (ﷺ) انصاف کرو! نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تیری ہلاکت ہو! اگر میں انصاف نہیں کروں گا

....

تو عدل کون کرے گا؟ اگر میں انصاف سے کام نہیں لوں گا تو میں ناکام و نامراد ہو جاؤں گا۔'' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ﷺ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں، میں اِس کی گردن ماردوں۔ حضور علیہ الصّلاۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا: ''رہنے دو کہ اِس کے ایسے ساتھی ہیں جن کی نمازوں کے مقابلے میں تم اپنی نمازوں کو حقیر جانو گے اور اُن کے روزوں کے مقابلوں میں تم اپنے روزے حقیر سمجھو گے اور یہ لوگ دین سے یوں نکل جائیں گے جیسا کہ تیر شکار سے نکلتا ہے، اِس طرح سے کہ تیر انداز تیر کے پھل کو دیکھتا ہے اور اُس پر کچھ موجود نہیں پاتا پھر پھل کی جڑ کو دیکھتا ہے اور اُس پر بھی کچھ اثر موجود نہیں پاتا، پھر اُس کے پر کو دیکھتا ہے تو اُس میں بھی کچھ موجود نہیں پاتا جب کہ تیر شکار کی بیٹ اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے یہ لوگ اُس وقت ظاہر ہوں گے جب لوگوں میں اختلاف ہوگا اِن لوگوں کی علامت یہ ہے کہ اُن میں ایک شخص کا شانہ عورت کی پستان کی طرح ہوگا یا گوشت کا ہلتا ہوا لوتھڑا ہوگا''۔
(صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما جاء في قول الرّجل، "ويلك"، برقم:٦١٦٣، ٤/١٩٤١)

حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں: حضرت علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں یمن سے کچھ سونا بھیجا جس میں کچھ مٹی بھی تھی نبی پاک ﷺ نے وہ سونا چار آدمیوں میں تقسیم فرما دیا، اَقْرَع بن حابس حنظلی، عُیَینہ بدر الفزاری اور عَلْقَمہ بن عُلاثہ العامری پھر قبیلۂ بنو کلاب کے ایک شخص زید الخیر الطّائی کو اور قبیلہ بنو نبہان کے ایک شخص کو دیا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ دیکھ کر قریش ناراض ہو گئے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نجد کے سرداروں کو عطا فرما رہے ہیں اور ہمیں چھوڑ رہے ہیں، نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''میں نے یہ اِن لوگوں کی تالیفِ قلب کے لئے کیا ہے۔'' پھر ایک شخص آیا جس کی داڑھی گھنی تھی اور گال اُبھرے ہوئے تھے، پیشانی اُونچی تھی اور سر مُنڈا ہوا تھا، اس نے کہا: ''اے محمّد ﷺ! اللہ سے ڈرو، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں گا تو پھر اللہ سے کون ڈرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے زمین پر امین بنا کر بھیجا ہے اور تم مجھے امین نہیں مانتے۔'' پھر وہ شخص پیٹھ پھیر کر چل پڑا، مسلمانوں میں سے ایک شخص نے، راوی کے گمان کے مطابق حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس کو قتل کرنے کی اجازت مانگی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اِس کی نسل سے ایک قوم پیدا ہوگی جو قرآن پڑھے گی اور قرآن اُس کے گلے سے نیچے نہیں اُترے گا، یہ لوگ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور کافروں کو چھوڑ دیں گے، اور یہ لوگ اسلام سے اِس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے اگر میں اِن لوگوں کو پا لیتا تو قومِ عاد کی طرح ان کو قتل کر ڈالتا''۔(صحیح مسلم، كتاب الزّكاة، باب ذكر الخوارج وصفاتهم، برقم: ٢٤١٥ /١٤٣۔ (١٠٦٤) ص٤٧٣)

﴿اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾ (۵) سے غافل رہے، مِنْ جُملہ اُن کے قابلِ افسوس اور لائقِ مذمّت اُمور میں سے یہ بھی ہے کہ جن بلادِ اسلامیّہ کے مکینوں نے اُن کی دوہری حالت پر اُن کی مخالفت کی، انہوں نے اُن سے جنگ کی

علامہ ابو العبّاس احمد بن عمر قرطبی علیہ الرحمہ نے اِن احادیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا: یہ مِن جملہ نبی کریم علیہ الصّلاۃ والسّلام کی دی گئی غیب کی خبروں میں سے ایک خبر ہے جو بعینہٖ اُسی طرح واقع ہوئی، یہ ہمارے آقا محمد ﷺ کی نبوّت کے دلائل میں سے ایک عظیم دلیل ہے، اُنہوں نے جن مسلمانوں پر خُروج کیا، اُن پر کُفر کا حکم لگایا اور اُن کے خون کو حلال ٹھہرالیا، اُن لوگوں نے ذِمّی کافروں کو چھوڑ دیا اور کہا اِن کے ذِمّی ہونے کی وجہ سے اِن سے قتال نہیں کیا جائے گا، نیز یہ لوگ مشرکین سے قتال سے عُدول کرتے ہوئے مشرکین کے بجائے مسلمانوں سے قتال کرنے میں مشغول ہوگئے، یہ تمام ہی آثار اُن جاہلوں کے ہیں جن کے سینے نورِ علم سے منوّر نہ ہوئے، اُن کا امام وہ فرد تھا جس نے حضور علیہ الصّلاۃ والسّلام کے حکم کو تسلیم نہیں کیا اور آپ ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات کی طرف ظلم کی نسبت کی، اگر اُسے کچھ بھی بصیرت حاصل ہوتی تو وہ یقین رکھتا کہ رسول اکرم ﷺ کے حقّ میں ظلم و ناانصافی کرنے کا تصّور بھی نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ اِن اُمور کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں تصّور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اللہ عزّ وجلّ ہی کی ملک ہیں تمام موجودات اور اُس پر کسی کا حقّ نہیں نکلتا، پس اللہ تعالیٰ کے حقّ میں ظلم و ناانصافی کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا، یونہی حضور پُر نور علیہ الصّلاۃ والسّلام کے متعلق اِن افعالِ بد کا تصّور نہیں کیا جا سکتا کہ رسولِ اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے احکامات پہنچانے والے ہیں، پس جس طرح اللہ تعالیٰ کے حق میں ظلم و ناانصافی کرنا متصوّر نہیں ہے، یونہی اس کے رسول ﷺ کے حقّ میں بھی یہ اُمور متصوّر نہیں ہو سکتے، اُن کے غالی بدعتی اور جاہل ہونے پر بطورِ دلیل تمہیں یہ بات کفایت کرے گی کہ اِن لوگوں نے اُن صحابہ کی تکفیر کی ہے جن کے صحّتِ ایمان کی گواہی خود نبی پاک ﷺ نے دی جیسا کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ الکریم وغیرہ کی تکفیر اِن سے منقول ہے۔ (المفهم، كتاب الزّكاة، باب: يجبُ الرّضا بما قسّم رسول الله ﷺ، ۱۱۵/۳)

علامہ ابو العبّاس قُرطبی علیہ رحمۃ اللہ القوی حضور علیہ الصّلاۃ والسّلام کے فرمان: ''یہ لوگ سر منڈایا کریں گے'' کے تحت فرماتے ہیں: انہوں نے سر اِس لئے منڈانا شروع کئے تا کہ یہ اُن کی دُنیاوی زینت سے بے رغبت ہونے کی علامت اور اُن کا شعار بن جائے جس کے ذریعے یہ لوگ پہچانے جائیں، جیسا کہ بعض عیسائی راہب یہ عمل کرتے ہیں کہ وہ اپنے سروں کے درمیان حصّہ کے بالوں کو مونڈتے ہیں۔

مرفوع حدیث میں آیا ''اُن کی علامت سر منڈانا ہے'' اور اِن اُمور کو اختیار کرنا اِن لوگوں کی جہالت ہے کہ سر مُنڈانے میں اصلاً کچھ زُہد نہیں لیکن وہ اِس کے ذریعے یہ آسانی سے اپنی زُہد و پارسائی کی دکان چمکا رہے ہیں، اور دینِ خُدا میں بدعت پیدا کر رہے ہیں۔ (المفهم، كتاب الزّكاة، باب: يجب الرّضا بما قسّم رسول الله ﷺ، ۱۲۲/۳)

۵۔ القلم: ۳۶/۳۵، ترجمہ: کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں سا کر دیں؟ تمہیں کیا ہوا کیسا حکم لگاتے ہو؟ (کنز الایمان)

اور دورانِ جنگ کئی بڑی برائیوں کا ارتکاب کیا جیسے لوگوں کا قتلِ عام کرنا، اُن کے اموال چھین لینا حتی کہ اُن ظالموں نے بچوں کو بھی قتل کر ڈالا، (۶)

۶۔ علاّمہ احمد بن زینی دحلان علیہ الرحمۃ نجدیوں کے ظلم وستم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ذیقعدہ ۱۲۱۷ھ میں نجدیوں نے طائف شریف پر قبضہ کر لیا اور بڑے چھوٹے، محکوم اور حاکم سب کو قتل کر ڈالا، صرف وہی بچا جس کی عمر طویل تھی، شیر خوار بچے کو ماں کے سینے پر ہی ذبح کر دیتے تھے، مال لوٹ لئے، عورتوں کو قید کر لیا، بہت سی ایسی حرکات کیں جن کے ذکر سے بہت طول ہوتا ہے (الدُّرُّ السَّنِيَّة، ص ۴۹)

علامہ جمیل آفندی علیہ الرحمہ نے نجدیوں کے قرآن پاک اور کُتُبِ احادیث کو نالیوں میں پھینکنے، عورتوں اور مردوں کو قتل کرنے اور مال لوٹ لینے کا تذکرہ کرے ہوئے لکھا: اور ایک جماعت کو قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے پایا، تو اُنہوں نے اُن سب کو قتل کر دیا پھر وہ لوگ جو گھر میں تھے اُن سب کو قتل کر دیا، اِس کے بعد دکانوں اور مسجدوں کی طرف نکلے اور اُن میں موجود افراد کو قتل کر دیا، پھر انہوں نے مسجد میں موجود ایک آدمی کو قتل کر دیا، بائیس تئیس آدمیوں نے ایک مضبوط قلعہ میں پناہ لی تھی، ایک دوسری جماعت جو کہ دو سو ستر افراد پر مشتمل تھی، اُن لوگوں نے ایک گھر میں پناہ لے رکھی تھی، اور اُن سے دو، تین دن تک لڑتے رہے حتی کہ ظالموں نے مکر و فریب سے کام لیا اور انہیں بظاہر پناہ دے دی، پھر اُن کے ہتھیار لے کر اُن سب کو قتل کر دیا، اور اُن کے علاوہ جو تھے اُن کو وادئ وج کی طرف نکال دیا، اُن کو اور پردہ نشین عورتوں کو وہاں سخت سردی میں ننگے جسم چھوڑ دیا، اُن کے اَموال، نقدی اور دیگر سامان لوٹ لیا اور اِن بدبختوں نے دینی کتابوں کو نالیوں، گلیوں اور بازاروں میں پھینک دیا، اُن کتابوں میں قرآن پاک، بخاری شریف اور مسلم شریف کے کئی نسخے تھے، اِس کے علاوہ احادیث اور فقہ کی متعدد کتابیں تھیں جن کی تعداد ہزاروں تک تھی، پھر انہوں نے گھروں کو تباہ و برباد کر دیا۔ (الفَجرُ الصَّادِق، ص ۲۲)

غیر مُقلّد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی نے لکھا کہ عبد العزیز نے دوسرے سال ایک لشکر تیار کر کے طائف کو بھیجا اور انہوں نے وہاں قتل و قمع کے بعد فتح پائی اور کربلا کی طرح وہاں بھی قتل عام کیا، اور اموال اُن کے لوٹ لئے اور اسی سال میں قنفزہ کو جو سات دن کی راہ پر جدّہ سے جنوب کی جانب واقع ہے فتح کیا اور ۱۸۰۴ء میں عبد العزیز نے ایک لشکر وہابیوں کا تیار کر کے اپنے بیٹے سعود کو اُس کا مقدمۃ الجیش بنایا اور مکہ معظّمہ کو روانہ کیا، لشکر مکہ میں پہنچا، اُس نے اہلِ مکہ کو زیر و زبر کر کے تین مہینے تک اُس کے حصار کا محاصرہ کیا، اہلِ مکہ کا توشہ تمام ہوا، ناچار انہوں نے اُس کی اطاعت قبول کی۔

کچھ آگے جا کر لکھا ہے: بعضوں نے لکھا ہے کہ وہاں کے سرداروں اور شریفوں کو قتل کیا اور کعبہ کو برہنہ کر دیا، اور دعوتِ وہابیّت قبول کرنے کو لوگوں پر جبر کیا۔ (ترجمان وہابیہ، ص ۳۴، ۳۵)

اِس قتلِ عام کے وقت اُن کا کہنا یہ تھا یہ تمام مقتولین کافر ہیں: ﴿وَ لَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ (النُّوح: ۲۷/۷۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اُن کی اولاد ہوگی تو وہ بھی نہ ہوگی مگر بدکار بڑی ناشکر۔

اور اُن لوگوں کے متعلق یہ مشہور ہے کہ اپنے ماسِوا دیگران مسلمانوں کو کافر قرار دیتے

وھّابیّہ کے نزدیک کن لوگوں کا قتل حلال ہے اور کن لوگوں کا مال لوٹنا حلال ہے؟

محمد بن عبدالوھّاب نجدی کا بیٹا عبداللہ بن محمد نجدی لکھتا ہے: جو کوئی یا رسول اللہ ﷺ، یا ابنَ عباس، یاعبدَ القادر جیلانی اور کسی بزرگ مخلوق کو پکارے یا اُس کی دُہائی دے، اُس پکارنے سے اُس کا مُدّعا دفعِ شر یا طلبِ خیر ہو یعنی ایسے اُمور میں امداد حاصل کرنا جو خُدا کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں ہیں مثلاً کسی بیمار کو تندرست کرنا یا دشمن پر فتح حاصل کرنا یا کسی دُکھ سے محفوظ رہنا وغیرہ تو ایسے اُمور میں خُدا کے سوا کسی دوسرے سے امداد طلب کرنا شرک ہے جو لوگ ایسا کریں وہ مشرک ہیں شرکِ اکبر کے مرتکب ہیں اگر چہ اُن کا عقیدہ یہی ہو کہ فاعلِ حقیقی فقط رَبُّ العزّت ہے۔ اور اُن صالحین سے دعا کرنے کا مقصد محض یہ ہے کہ اُس کی سفارش سے مراد برآئیگی گویا یہ ایک واسطہ ہیں یعنی اُن کا فعل بہر حال شرک ہے اور ایسے لوگوں کا خون بہانا جائز ہے اور اُن کے اَموال لوٹ لینا مُباح ہے (تحفۂ وھّابیہ: ص:۵۹)

غور فرمائیں اِس شرک کے فتوی کی زد میں کیسے کیسے حضرات آتے ہیں امام بخاری نے روایت کیا: جنگِ اُحد میں صحابیٔ رسول ﷺ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالی عنہ کی آنکھ کا ڈھیلا نکل آیا حضور کی بارگاہ میں عرض کیا: میری آنکھ کو درست فرمادیں! اللہ کے حبیب، طبیبوں کے طبیب ﷺ نے اُن کی آنکھ کو اُس کی جگہ رکھ کر لعابِ دہن لگایا آنکھ بالکل درست ہوگئی۔ (دلائل النبوة، باب ما ذكر في المغازي من دعائه يوم بدر إلخ، ۹۷/۳)

امام بخاری نے روایت کیا: سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالی عنہ کی پنڈلی پر غزوۂ خیبر میں انتہائی گہرا زخم پڑ گیا وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے تین بار اپنا لعابِ دہن لگایا تو زخم درست ہوگیا۔ (صحيح البخاری، كتاب المغازی، باب قتل أبی رافعٍ عبدالله بن أبی الحقيق، برقم: ۴۰۳۹، ۲۷/۳-۲۸ و برقم: ۴۰۴۰، ۲۸/۳)

شائد اب اس عنوان کے تحت کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ جن کے کُفریہ فتووں کی زد سے صحابۂ کرام کی مقدس جماعت محفوظ نہیں اگر وہ آج سُنّی مسلمانوں کو مشرک گردانیں تو ایسوں سے کیا شکایت کی جائے ہاں! ہم یہ ضرور کہیں گے: اِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَكیٰ۔

ہیں (۷) جن پر نبی کریم ﷺ کے یہ فرامین صادق آتے ہیں:

ا۔ ''مجھے لوگوں سے قِتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اُس کے بندے اور رسول ہیں اور وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، جب وہ یہ کرلیں گے تو مجھ سے اپنا خون اور مال محفوظ کرلیں گے مگر حقِّ اسلام کے ساتھ اور اُن کا حساب اللہ کے ذمہ ہوگا''۔ اِس حدیث شریف کو امام بخاری نے روایت کیا ہے، امام مسلم نے بھی اِسے اِسی طرح روایت کیا ہے مگر ''مسلم شریف'' کی روایت کردہ حدیث میں ''إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ'' کے الفاظ نہیں ہیں۔ (۸)

۷۔ علامہ احمد بن زینی دحلان مکی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے اُن کے دلوں میں یہ بات بٹھادی تھی کہ آسمان کے نیچے جس قدر لوگ ہیں علی الاطلاق مشرک ہیں اور جو مشرک کو قتل کرے گا اُس کے لئے جنّت لازم ہے، محمد بن عبدالوہاب نجدی اُن میں نبی کی طرح تھا، وہ اُس کے کسی قول کو نہ چھوڑتے تھے اور نہ اُس کے حکم کے بغیر کوئی کام کرتے، اُس کی از حد تعظیم کرتے تھے۔ (الدُّرَرُ السِّنیَّة: ص: ۴۴)
مولوی عبیداللہ سندھی نے لکھا: امام شوکانی کے شاگرد محمد بن ناصر حازمی لکھتے ہیں کہ شیخ موصوف (یعنی محمد بن عبدالوہاب) کی دو باتیں ہیں جو پسند نہیں کی جاتیں، ایک تو یہ ہے کہ اُنہوں نے چند بے اساس اُمور کی بناء پر تمام دنیا کو کافر قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ داؤد بن سلیمان نے شیخ موصوف کے اِس دعویٰ کا نہایت مناسب ردّ لکھا ہے، اور اُن کی دوسری زیادتی یہ تھی کہ بلا کسی دلیل وحُجّت کے انہوں نے بے گُناہوں کو قتل کرنے کی اجازت دی، چنانچہ شیخ موصوف یہ اعلان کیا کرتے تھے کہ جس نے اللہ کے سوا کسی اور سے دُعا کی یا کسی نبی، بادشاہ اور عالم کو اُس میں وسیلہ بنایا تو وہ مشرک ہے، خواہ وہ دل سے چاہے یا اُس کا انکار کرے۔ وہ اس کا عقیدہ رکھتا ہو یا اُس کو نہ مانتا ہو۔ اِس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے روئے زمین کے سب مسلمانوں کو تکفیر کا نشانہ بنادیا، چنانچہ جو مسلمان اولیاء سے دعا کرتے ہیں، اُن کو موصوف نے کافر قرار دیا، اور جو اُن کے کُفر میں شک کرے شیخ موصوف نے اُن شک کرنے والوں کو بھی کافر ثابت کیا، آپ اُن لوگوں سے جو آپکے مخالف تھے جہاد کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ جس طرح بَس چلے اُن کو قتل کرنا روا جانتے تھے اور اُن کے مال ودولت کو لوٹنے کی اجازت دیتے تھے، موصوف نے اِس طرح دنیا جہان کے مسلمانوں کو زمرۂ کُفار میں داخل کردیا۔ (شاہ ولی اللہ اور اُن کی سیاسی تحریک، ص۱۷۴، ۱۷۵)

۸۔ صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الأمر بقتال النّاس إلخ، برقم: ۳۲/۳۳، (۲۰) ص: ۴۱

۲۔ طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا: نبی پاک ﷺ نے فرمایا:
''مجھے لوگوں سے قِتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں'' الخ۔(۹)

مِن جُملہ ان کے بڑے گُناہوں میں ایک گُناہ وہ ہے جو انہوں نے طائف میں نُزول کے وقت کیا کہ وہ شہر جس کے سبب عالَمِ اسلام کو شادابی حاصل ہوئی، اُس شہر کے سینکڑوں مسلمان مَکینوں کو اُنہوں نے قتل کر دیا، اُن میں متعدد عُلماء بھی شامل ہیں، جیسے مکّۂ مکرّمہ میں فرائضِ اِفتاء انجام دینے والے مفتی شافعیّہ سیّد عبداللہ زواوی، قاضیٔ مکّہ علاّمہ ابوالخیر عبداللہ، قاضیٔ طائف علاّمہ سلیمان مُراد، اور سید یوسف زواوی جن کی عمر تقریباً اسّی سال تھی، علاّمہ حسن شیبی، اور علاّمہ جعفر شیبی وغیرہ اُن ظالموں نے اِن حضراتِ قدسیّہ کو اُن کے گھروں کے دروازوں پر جا کر امان دی، پھر امان دینے کے باوجود انہوں نے اِن عُلماء کو ذبح کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ حملہ آوروں کے ساتھ کوئی بھی اہلِ معرفت اور امیر شریک نہ تھا، اُن بدبختوں نے جو افعال سرانجام دیئے جیسے لوٹ مار کرنا اور بے شمار لوگوں کو سزائیں دینا یہ فقط اِس لئے تھا کہ وہ اپنے اموال رکھنے کی خُفیہ جگہ انہیں بتا دیں، لوگوں نے انہیں اُن جگہوں کے بارے میں بتا بھی دیا اور اس میں کچھ حرج بھی نہیں تھا، اگر ابن سعود اُن لوگوں کی لگام کو مزید ڈھیلی کرتا تو یہ دیگر گاؤں اور شہروں میں بھی فسادات کی انتہاء کر دیتے، اُن میں سے بعض لوگوں سے بطورِ شُہرت یہ بات منقول ہے کہ عادت و اَطوار میں جو اُن لوگوں کی مخالفت کرتا ہے یہ اُسے مشرک کہنے میں باک محسوس نہیں کرتے (۱۰) جیسے

۹۔ أیضاً

۱۰۔ دیوبندیوں اور وھّابیوں کے متفقہ امام اسمعیل دہلوی مصنّف کی اِس بات پر پورے اُترتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں کہ کون کونسی چیزیں اِن حضرات کے نزدیک شرک ہیں قبل اِس کے کہ ہم اسماعیل دہلوی کی عبارات بیان کریں ہم یہاں شرک کا معنی بیان کرتے ہیں تا کہ قارئین دیکھ لیں کہ اسلام کس چیز کو ''شرک'' کہتا ہے اور اِن حضرات کے نزدیک ''شرک'' کیا ہے۔

....

صدرالافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب '' اَطیَبُ البَیان فی رَدِّ تَقوِیَۃِ الایمان'' میں ''شرح عقائد'' کے حوالے سے شرک کی تعریف نقل کرتے ہیں: الاشراکُ ھُوَ اِثْبَاتُ الشَّرِیْكِ فِی الْأُلُوھِیَّۃِ یَعنِی وُجُوب الوُجُودِ کَمَا لِلمَجُوسِ أوبِمعنَی اسْتِحْقَاقِ العِبَادَۃِ کَمَا لِعَبدۃِ الأَصْنَامِ۔
یعنی، شرک ثابت کرنا ہے شریک کا اُلوھیت بمعنیٰ وُجوبِ وُجود میں جیسا کہ مجوس کرتے ہیں، یا بمعنیٰ استحقاقِ عبادت میں جیسا بُت پرست کرتے ہیں۔ کذا فی ''شرح الفقہ الأکبر'' للملّا علی القاری۔
مزید صدرالافاضل نے حضرت شیخ عبدالحق مُحدِّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے شرک کی اقسام نقل کی ہیں بالجملہ شرک سہ اقسام است در وُجود، ودر خالقیّت، ودر عبادت۔(اشعۃ اللّمعات ۱/۶۱)
خلاصہ مطلب یہ ہے کہ شرک تین طرح پر ہوتا ہے، ایک تو یہ کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو واجب الوُجود ٹھہرائے دوسرے یہ کہ کسی اور کو اُس کے سوا حقیقتاً خالق جانے، تیسرے عبادت میں کہ غیر خُدا کی عبادت کرے یا اُس کو مستحقِ عبادت سمجھے۔(اَطیبُ البَیان فی رَدِّ تَقوِیۃِ الاِیمان، ص۳۵)
اسماعیل دہلوی جو کہ دیوبندیوں، اور وہابیوں نام نہاد اہلِ حدیث کے نزدیک مسلّمہ شخصیت ہے اُس نے رُسوائے زمانہ کتاب '' تَقوِیۃُ الایمان'' میں لکھا کہ: ''سوچنا چاہئے کہ اکثر لوگ پیروں کو اور پیغمبروں کو اور اماموں اور شہیدوں کو اور فرشتوں کو اور پریوں کو مشکل کے وقت پکارتے ہیں اور اُن سے مرادیں مانگتے ہیں اور اُن کی منّتیں مانتے ہیں اور حاجت روائی کے لئے اُن کی نذر و نیاز کرتے ہیں اور بلا کے ٹلنے کے لئے اپنے بیٹوں کو اُن کی طرف نسبت کرتے ہیں کوئی اپنے بیٹے کا نام عبدالنّبی رکھتا ہے، کوئی علی بخش، کوئی حسین بخش، کوئی پیر بخش، کوئی سالار بخش، کوئی غلام محی الدّین، کوئی غلام معین الدّین اور اُن کے جینے کے لئے کوئی کسی کے نام کی چوٹی رکھتا ہے، کوئی کسی کے نام بدھی پہناتا ہے، کوئی کسی کے نام کپڑے پہناتا ہے، کوئی کسی کے نام کی بیڑی ڈالتا ہے، کوئی کسی کے نام کے جانور کرتا ہے، کوئی مشکل کے وقت کسی کی دوہائی دیتا ہے، کوئی اپنی باتوں میں کسی نام کی قسم کھاتا ہے، غرض جو کچھ ہندو اپنے بُتوں سے کرتے ہیں سو وہ سب کچھ یہ جھوٹے مسلمان اولیاء اور انبیاء اور اماموں اور شہیدوں سے اور فرشتوں اور پریوں سے کر گزرتے ہیں اور دعوے مسلمانی کے کئے جاتے ہیں، سبحان اللہ یہ منہ اور یہ دعوی۔(تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، ص۱۹)
تبصرہ: اس اقتباس میں اسماعیل دہلوی نے کن کن چیزوں کو شرک قرار دیا ہے ملاحظہ فرمائیں: (1) مشکل کے وقت مخلوق کو پکارنا (2) اُن سے منّت اور مرادیں مانگنا (3) نذر و نیاز کرنا (4) عبدالنّبی، علی بخش، حسین بخش وغیرہ نام رکھنا (5) کسی کے نام کی چوٹی رکھنا (6) کسی کے نام پر کپڑے پہنانا (7) بیڑی ڈالنا (8) کسی کے

....

نام کا جانور کرنا(9) غیر اللہ کی قسم کھانا۔

مزید لکھا کہ ''اللہ صاحب نے کسی کو عالم میں تصرّف کرنے کی قدرت نہیں دی اور کوئی کسی کی حمایت نہیں کرسکتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پیغمبرِ خُدا کے وقت میں کافر بھی اپنے بتوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے تھے بلکہ اُسی کی مخلوق اور اُس کا بندہ سمجھتے تھے اور اُن کو اُس کے مقابل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے مگر یہی پکارنا اور منّتیں ماننی اور نذر و نیاز کرنی اور اُن کو اپنا وکیل اور سفارشی سمجھنا یہی اُن کا کُفر و شرک تھا، سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو کہ اُس کو اللہ کا بندہ و مخلوق ہی سمجھے، سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے، سو سمجھنا چاہئے کہ شرک اِسی پر موقوف نہیں کہ کسی کو اللہ کے برابر سمجھے اور اُس کے مقابل جانے بلکہ شرک کے معنی یہ ہیں کہ جو چیزیں اللہ نے اپنے واسطے خاص کی ہیں اور اپنے بندوں پر نشان بندگی کے ٹھیرائے ہیں، وہ چیزیں اور کسی کے واسطے کرنی جیسے سجدہ کرنا اور اُس کے نام کا جانور کرنا اور اُس کی منّت ماننی اور مشکل کے وقت پکارنا اور ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھنا اور قدرت تصرّف کی ثابت کرنی سو اِن باتوں سے شرک ثابت ہو جاتا ہے گو کہ پھر اُس کو اللہ سے چھوٹا سمجھے اور اُسی کی مخلوق اور اُس کا بندہ۔ اور اِس بات میں اولیاء و انبیاء میں اور جن و شیطان میں اور بھوت اور پری میں کچھ فرق نہیں یعنی جس سے کوئی یہ معاملہ کرے گا وہ مُشرک ہو جاوے گا خواہ انبیاء و اولیاء سے کرے خواہ پیروں اور شہیدوں سے خواہ بھوت و پری سے'' (تقوية الايمان، ص ۲۰، ۲۱)

تبصرہ: اِس اقتباس میں بعض باتیں تو وہی ہیں جنہیں پہلے شرک کہہ چکے مزید جن باتوں کو شرک قرار دیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیں: (1) مخلوق کو سجدہ کرنا (سجدہ کی دو اقسام ہیں سجدۂ عبادت جو اللہ کے لیے خاص ہے۔ اُس کے غیر کے لیے سجدۂ عبادت بلاشبہ شرک ہے۔ دوسری قسم سجدۂ تحیّت و تعظیم ہے جو پچھلی شریعتوں میں جائز تھا اور ہماری شریعت میں اِسے حرام قرار دیا گیا سجدہ کو مطلقاً شرک قرار دینا شریعت پر افتراء ہے) (2) کسی کو ہر جگہ حاضر ناظر سمجھنا (3) کسی میں اللہ تعالیٰ کی عطا سے بھی تصرّف کی قدرت ماننا۔

نیز لکھا: ''اللہ کے گھر کے سوائے اور کسی کا طواف کرنا شرک کی بات ہے اور کافروں کی رسم ہے، یہ ہرگز نہ کرنا چاہئے'' (تقوية الايمان، ص۴۷)

تبصرہ: ''حُبّكَ الشّئَ يُعمِی ويُصِم'' شے کی محبت آدمی کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے موصوف شرک کی محبت میں اتنا آگے بڑھے کہ نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ صفا و مروہ کے بارے میں کیا فرماتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الصَّفا وَالمَروَةَ مِنْ شَعَائِرِاللهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِاعْتَمَرَ فَلَا جَنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِما﴾ (البقرة: ۲/ ۱۵۸)

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک صفا اور مروہ اللہ کے نشانوں سے ہیں تو جو اُس گھر کا حج یا عمرہ کرے اُس پر

مونچھیں منڈوانا، داڑھی بڑھانا(۱۱)

کچھ گُناہ نہیں کہ ان دونوں کا (طواف) یعنی پھیرے کرے۔

کیا خُدا تعالیٰ (معاذ اللہ) شرک کا حکم دے رہا ہے؟

اور لکھا کہ کسی کام کو روا یا ناروا کر دینا اللہ ہی کی شان ہے سو اُس میں اللہ پر جھوٹ باندھنا کہ فلانے کام کو یوں کیجئے تو مرادیں ملتی ہیں اور نہیں تو کچھ خلل ہو جاتا ہے، سو یہ خیال غلط ہے کیونکہ اللہ پر جھوٹ باندھنے سے کبھی مراد نہیں ملتی، اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ محرم کے مہینے میں پان نہ کھایا چاہئے لال کپڑا نہ پہنے حضرت بی بی کی صحنک مرد نہ کھاویں اور جب اُن کی نیاز کیجئے تو اس میں بالضرور فلانی ترکاریاں ہوں اور مہندی اور مستی ہو اور اس کو لونڈی نہ کھاوے اور جس عورت نے دوسرا خاوند کیا ہے وہ بھی نہ کھاوے اور جو نیچ قوم میں ہو یا بدکار وہ بھی نہ کھاوے اور شاہ عبدالحق کا توشہ حلوا ہی ہوتا ہے اور اس کو احتیاط سے بنایئے اور حُقّہ پینے والے کو نہ دیجئے اور شاہ مدار کی نیاز مالیدہ ہے اور بوعلی قلندری کی سہ منی اور اصحابِ کہف کی گوشت روٹی اور بیاہ میں فلانی فلانی رسمیں ضرور ہیں اور موت میں فلانی فلانی اور موت کے بعد نہ آپ شادی کیجیے نہ کسی شادی میں آپ بیٹھیے نہ اچار ڈالیے اور فلانے لوگ نیلا کپڑا نہ پہنیں اور فلانے لال سونی نہ پہنیں، سو سب جھوٹے ہیں اور شرک میں گرفتار اور اللہ کی حکومت کی شان میں اپنا دخل کرتے ہیں کہ ایک شرع اپنی جُدی قائم کرتے ہیں'' (تقوية الايمان، ص ۵۰)

تبصرہ: اِس اقتباس میں ایسی چیزوں کو بھی شرک قرار دیا گیا ہے، جنہیں شرک کہنا انتہائی مضحکہ خیز ہے ہم اُن میں سے بعض کو ذکر کرتے ہیں (1) مُحرّم میں پان نہ کھانا (2) مُحرّم میں لال کپڑا نہ پہننا (3) شاہ مدار کا ملیدہ، بوعلی قلندر کی سہ منی، اصحابِ کہف کی گوشت روٹی، شاہ عبدالحق کا حلوا کرنا (4) بی بی کی صحنک مردوں کا کھانا۔

''تقوية الايمان'' میں ایسی بہت سی باتوں کو اسماعیل دہلوی نے شرک قرار دیا ہے، جن کا شرک ہونا عقل وفہم سے بالاتر ہے۔ خلیفۂ اعلیحضرت، صدرالافاضل، مفتی نعیم الدّین مرادآبادی علیہ رحمۃ اللہ الھادی نے اِس کتاب کا بہترین جواب بنام ''اَطيَبُ الْبَيَان فِی رَدِّتَقْوِيةِ الايْمَان'' لکھا ہے، قارئین اِس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

۱۱۔ یاد رہے کہ داڑھی بڑھانے کی شرع مطہرہ میں ایک حدّ ہے جو کہ احادیث و آثار سے ثابت ہے اور خلیفۂ اعلیحضرت، صدرُ الشّریعہ، بدر الطّریقہ، مفتی امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے داڑھی کی مقدار سے متعلق کئے گئے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا: داڑھی ایک مُشت رکھنا ضروری ہے، ایک مُشت سے کم درست نہیں اور ایک مُشت سے اگر کچھ زیادہ ہو کر سینہ تک پہنچ جائے جب بھی حرج نہیں مگر اس کا طولِ فاحش مکروہ (تنزیہی) ہے۔ (فتاویٰ امجديه، ٤/ ١٩٤ ملخصاً)

یونہی جو شخص تمبا کو جسے عام طور پر عربی میں ''تتن'' کہتے ہیں استعمال کرتا ہو اور جو شخص انبیاء کرام اور صالحین کی مزارات کی زیارت کرتا ہو(۱۲) اور جو شخص اُن حضرات کے مزارات پر عمارت وغیرہ تعمیر کرواتا ہو، اُسے بھی یہ لوگ مشرک گردانتے ہیں اُن کے اپنے مذہب کے معتمد عالم تقی الدّین ابن تیمیہ (۱۳) نے اُن کی مخالفت کی ہے، عنقریب تفصیلاً وہ

۱۲۔ صالحین یعنی اولیاءِ کرام کے مزارات کی حاضری کو شرک کہنے والوں کی گوشمالی کرتے ہوئے علاّمہ صاوی مالکی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے "سورة المائدة" کی آیت نمبر ۳۶ کے جزء: ﴿وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ﴾ کے تحت لکھا: جو شئے بھی اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والی ہو اُسے اختیار کرنا یہ مطلقاً وسیلہ تلاش کرنا ہے، مِن جُملہ قربِ الٰہی دلانے والے بعض اُمور یہ ہیں: انبیاء کرام اور اولیاء کرام سے مُحبّت کرنا، صدقہ وخیرات کرنا، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے ملاقات کرنا، باکثرت دعا کرنا، صلۂ رحمی کرنا، باکثرت ذکرِ الٰہی کرنا پس آیتِ مبارکہ کا معنی یہ ہوا کہ جو شئے بھی تمہیں اللہ تعالیٰ سے قریب کردے تم اُسے لازم پکڑ لو اور جو بھی شئے تمہیں اللہ تعالیٰ سے دُور کردے تم اُسے چھوڑ دو، جب تم نے یہ معنی جان لیا تو (سمجھ لو) یہ کُھلی گمراہی اور واضح نقصان ہے کہ اولیاء اللہ کی زیارت کے سبب سے مسلمانوں کی تکفیر کی جائے یہ گُمان کرتے ہوئے اولیاء کرام کی زیارت کرنا غیرُ اللہ کی عبادت ہے یہ بات ہرگز درست نہیں بلکہ یہ وہ مُحبّت ہے جس کے بارے میں حضور علیہ الصّلاۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا: ''آگاہ ہو جاؤ! جس میں محبت نہیں، اُس کا کوئی ایمان نہیں'' اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرنا ہے جس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ﴾ (حاشیةالصّاوی علی الجلالین، ۲/۱۱۳)

۱۳۔ ابنِ تیمیہ کا پورا نام تقی الدّین احمد ہے مگر اُس نے اپنی کنیت ابنِ تیمیہ سے شہرت پائی، ۶۶۱ھ مطابق ۱۲۶۳ء حرّان ترکی میں پیدا ہوا، سات سال کی عمر میں دمشق شام ہجرت کر گیا اور وہیں قرآن حفظ کیا اور مذہبی تعلیم مکمل کی، پھر دمشق ہی میں درس وافتاء کا کام شروع کیا، یہی جگہ اُس کا میدانِ عمل بنی، جب اُس کے نئے نئے نظریات سامنے آنے لگے تو اُس دَور کے علماء نے اُس کی جَم کر سرکوبی کی (مختصر تعارف تحریک وھابیّت، ص۱۲)

علاّمہ ابنِ حجر ہیتمی مکّی شافعی ''ابنِ تیمیہ'' کے بارے میں لکھتے ہیں: ابن تیمیہ ایک بندہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا، گمراہ کیا، اندھا، بہرہ اور رُسوا کیا ہے، آئمہ دین نے اُس کی تصریح فرمائی ہے جنہوں نے اُس کے فاسد احوال اور جھوٹے اقوال کو بیان فرمایا ہے، جو شخص اُن تصریحات کی تصدیق کرنا چاہے وہ ان ائمہ مجتہدین جن کی امامت وجلالت، اور رُتبۂ اجتہاد کو پہنچنا مُسلّم ہے جیسے حضرت علاّمہ ابوالحسن سبکی اور اُن کے فرزند حضرت علاّمہ تاج الدین سبکی، حضرت علاّمہ عز ابن جماعۃ، اُن کے ہمعصر علماء اور اُن کے علاوہ علماء

باتیں بیان کروں گا جو اُس نے اپنی کتاب ''اقتِضَاءُ الصِّراط المُستَقِیم'' میں کی

شافعیہ، مالکیہ، حنفیہ کے جلیلُ القدر علماء کے کلام کا مطالعہ کرے، ابنِ تیمیہ نے صرف متأخِّرین صوفیاءِ کرام پر ہی اعتراض کرنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اُس نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے اکابر صحابۂ کرام پر بھی اعتراض کیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اُس کا کلام کچھ وزن نہیں رکھتا بلکہ اُس کا کلام ویرانے میں پھینکنے کے قابل ہے، اُس کے حق میں یہ اعتقاد رکھنا چاہئیے کہ وہ بدعتی، گمراہ، گمراہ کُن، جاہل اور غالی تھا، اللہ تعالیٰ اُس کے ساتھ اپنے عدل سے معاملہ فرمائے اور ہمیں اُس جیسے عقیدے اور طریقے سے بچائے، آمین۔ (الفتاویٰ الحدیثیّة، رقم السّوال:٦٩ مطلب:اعتراض ابن تیمیة علی متأخّری الصّوفیة إلخ، ص:١٥٦،١٥٧)

اور ابن تیمیہ کے بارے میں ہمارے دارالافتاء سے بھی ایک فتوی رئیس دارالافتاء شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی کے قلم سے جاری ہوا قارئین کے فائدے کے لئے اُسے بھی یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عالمِ اسلام میں ایک شخصیت مُحدِّث امام ابن تیمیہ گزرے ہیں ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ زید اور بکر اس بارے میں متصادم۔ لہٰذا دونوں میں درست رائے کس کی ہے اس کی تصدیق وتصحیح فرمائیں۔

۱۔ زید کی رائے: عقائد اسلامیہ کی تعبیر وتوجیہہ کے باب میں اسلاف ائمہ کرام میں سے امام ابن تیمیہ کو متنازع گردانا جاتا ہے، جب کہ حال یہ ہے کہ اُن کا عقیدہ نہایت اعتدال پر مبنی ہے اور اگر موجودہ دور میں اُس کی کماحقّہ غیر جانبدارانہ تعبیر وتشہیر کی جائے تو کچھ بعید نہیں کہ دونوں انتہاؤں پر جا پہنچنے والے مسالک کو باہم قریب کیا جا سکے، سردست صورتحال کچھ یوں ہے کہ عقائد اسلامیہ میں اپنی کج فہمی کی بناء پر بدعات داخل کرنے والا گروہ امام تیمیہ کی تعلیمات کا من گھڑت تصوّر پیش کر کے اُن سے اپنے خود ساختہ عقائد کی بے جا تائید حاصل کر رہا ہے جب کہ صحیح اسلامی عقیدے پر کاربند کم پڑھے لکھے افرادِ اُمت حقائق سے عدم آگہی کے باعث امام ابن تیمیہ کو غیر اسلامی عقیدے کا حامل سمجھنے لگ گئے ہیں۔

۲۔ بکر کی رائے: ابن تیمیہ کا اصل نام احمد، اس کی کنیت ابو العباس اور مشہور ابن تیمیہ ہے، ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور قلعہ دمشق ملک شام (سوریا) میں بحالت قید وبند ۲۰ ذوالقعدہ ۷۲۸ھ میں وصال ہوا۔ ابن تیمیہ نے مسلمانوں کے اجماعی عقائد واعمال سے ہٹ کر ایک نئی راہ ڈالی جس کے باعث اس کے ہمعصر اور بعد میں آنے والے بڑے بڑے علماء کرام میں سے بعض نے اُن کی تکفیر کی، بعض نے گمراہ کہا اور بعض نے بدعتی کے نام سے موسوم کیا، جن میں سے چند کی آراء یہ ہیں:

☆ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی کا مؤقف: ''میں نے ابن تیمیہ کا انجام یہ دیکھا کہ اس کو ذلیل کیا گیا اور اُس کی برائی کی گئی اور حق وباطل سے اس کی تضلیل اور تکفیر ہوئی اور وہ ان خرافات میں پڑنے سے پہلے اپنی

ہیں۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ

زندگی ہی میں سلف (بڑے بڑے علماء) کے نزدیک (اپنے علم کے باعث) منور و روشن تھا، پھر وہ (ابن تیمیہ) غلط اور بدعتی مسائل کی وجہ سے لوگوں کے نزدیک اندھیرے والا اور گرہن والا غبار آلود ہو گیا، اور اپنے اعداء اور مخالفین کے نزدیک دجّال، افاک (بڑا بہتان تراش) کافر ہو گیا اور عاقلوں، فاضلوں کے گروہوں کی نظر میں فاضل مُحقّق بارع (ماہر) بدعتی ہو گیا''۔

☆ **علامہ مُلّا علی قاری حنفی کا مُؤقّف:** ''(نام کے) حنبلیوں میں سے ابن تیمیہ نے تفریط (کوتاہی اور کمی) کی ہے (معاذ اللہ) اس طرح کہ روضہ رسول علیہ السلام کی زیارت کو حرام کہا، جیسا کہ اُس کے غیر نے (یعنی اس کے مخالف اور رَدّ کرنے والے نے) زیادتی کی حد سے بڑھا کر اس طرح کہا کہ زیارت شریف کا قُربت ہونا یہ ضرورت دین سے معلوم ہے۔ اور اِس کے منکر پر حکم کُفر ہے۔ اُمید ہے کہ یہ دوسرا (یعنی منکر زیارت پر کُفر کا فتویٰ دینے والا) صواب (صحیح ہونے) کے زیادہ قریب ہے کیوں کہ اس چیز کو حرام کہنا جو باجماع و اتفاق علماء مستحب ہو (جیسے مسئلہ زیارت) وہ کفر ہے کیونکہ اس معاملہ میں تحریم مباح (یعنی مباح کو حرام کہنے) سے بڑھ کر ہے جب مُباح کو حرام کہنا کُفر ہے تو مستحب کو حرام کہنا بطریق اولیٰ کُفر ہو گا''۔

(ماخوذ شرح الشّفاء للعلامة القاری، جلد ۳، صفحه ۵۱۴ علی هامش نسیم الریاض بحواله شواهد الحق)

ابن تیمیہ کے بعض مَن گھڑت عقائد و مسائل: اللہ تعالیٰ کا جسم ہے، اللہ تعالیٰ نقل مکانی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ عرش کے برابر ہے نہ اس سے بڑا نہ چھوٹا، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بہتان شنیع اور کُفر قبیح سے پاک ہے، اُس کے متبع ذلیل ہوئے اور اُس کے معتقد خائب و خاسر ہوئے، دوزخ فنا ہو جائے گی، انبیاء کرام علیہم السلام غیر معصوم ہیں، حضور علیہ السلام کا عند اللہ کوئی مقام نہیں، ان کا وسیلہ جائز نہیں، روضۂ انور علیہ السلام کی طرف سفر زیارت کرنا گُناہ ہے اور اِس سفر میں نماز قصر نہ پڑھی جائے گی، حائضہ کو طواف کعبہ جائز ہے اور اُس پر کوئی کفّارہ بھی نہیں، تین طلاقیں ایک ہی ہوں گی حالانکہ اپنے دعویٰ سے پہلے اُس نے اِس کے خلاف (امت محمدیہ کا) اجماع نقل کیا۔ (از علامه ابن حجر مکی هیتمی شافعی، فتاویٰ حدیثیه، صفحه ۹۹ تا ۱۰۱)

لہٰذا دونوں میں حق بجانب کون ہے اور عوام و خواص کس کی پیروی کریں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔ (سوال مکمل ہوا، آگے مفتی صاحب قبلہ کا جواب شروع ہوتا ہے)

باسمه تعالیٰ وتقدس الجواب: تقی الدین ابن تیمیہ کی زندگی کے دو دَور تھے، اول دور یعنی دورِ شباب میں علماء کرام نے اس کی خوب ستائش کی، جب یہ دَور ختم ہوا اور ابن تیمیہ نے دَورِ کہولت (جوانی) کی منزلیں طے کیں اور شیخوخت (بڑھاپے) میں داخل ہوا تو اس کے یہی مدّاح اور

مذکورہ اُمور کو شرک کہنے کا ردّ:

پینے میں استعمال ہونے والا تمبا کو جسے ''تتن'' کہتے ہیں، حضراتِ نجدیہ اُسے

معاون اس سے برگشتہ ہو گئے، چنانچہ علامہ زاہد الکوثری نے لکھا ہے کہ ''یہ امر واقع ہے کہ ابن تیمیہ کی تعریف کرنے اور اُن کے طرفدار بننے میں علماء نے عجلت سے کام لیا اور پھر اُن کے لئے پلٹنا مشکل ہو گیا یہاں تک کہ ابن تیمیہ اپنے تفردات میں بڑھتے چلے گئے جو کہ معروف ہیں، لہٰذا علماء بھی یکے بعد دیگرے اُن سے کٹنے لگے یہاں تک کہ جلال قزوینی، قونوی، اور حریری وغیرہم کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور ذہبی بھی اُن سے کچھ منحرف ہو گئے جب کہ وہ ایک مدت تک مخالفوں کے جوش کو ٹھنڈا کرنے میں مصروف رہے اور پوری کوشش کی کہ ابن تیمیہ کو اِس ورطہ سے نکالیں، جس نے بھی اُن کی حیات کا دقّتِ نظر سے مطالعہ کیا ہے اُس سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔ (ابن تیمیہ اور اُن کے ہم عصر، ص ۵، مطبوعہ ضیاء اکیڈمی، کراچی)

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے لکھا ہے کہ وأول ما أنكروا عليه من مقالاته فی شهر ربيع الأول ۶۹۸ ھ قام عليه جماعة من الفقهاء بسبب الفتوى الحموته (الدُّرَر الكامنة، حرف الألف، ذكر من اسمه أحمد، برقم: ۴۰۹، ۱/۱۴۴)

یعنی، ابن تیمیہ کی تحریرات پر ناپسندیدگی کا اظہار پہلی بار ماہ ربیع الاوّل ۶۹۸ ھ میں ہوا جب کہ اُن کے حموی فتویٰ کے خلاف علماء کی ایک جماعت کھڑی ہوئی۔

چونکہ ابن تیمیہ کی پیدائش ربیع الاول ۶۶۱ ھ کی ہے اِس سے ظاہر ہے کہ مخالفت کی ابتداء اُس وقت ہوئی ہے جب ابن تیمیہ کی عمر سینتیس (۳۷) سال کی تھی اور چونکہ فتویٰ حموی کا تعلق عقائد سے ہے، اِس سے معلوم ہوا کہ فقہاء کا اختلاف عقائد کی بنا پر شروع ہوا۔ پھر حافظ ابن حجر نے علماء کرام کی کُتُب سے ابن تیمیہ کی مدح و ستائش اور اُن کے ہفوات کا بیان کیا اُن میں تقریباً آٹھ صفحات محاسن پر اور تقریباً تین صفحات مساوی پر مشتمل ہیں اور دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ ابن تیمیہ کے پیروکار و طرفدار اُس کے ہفوات و مزلّات کو چُھپانے کی کوشش کرتے ہیں کہ علماء و اعلام کے حوالے سے اُس کے بیان کردہ محاسن کو تو بیان کرتے ہیں اور مساوی ذکر نہیں کرتے حالانکہ ابن تیمیہ کے ہم عصر علماء میں سے صرف دو تین ہی ایسے تھے کہ جنہوں نے اُس کے مساوی کو بیان کرنے سے گریز کیا جیسے ابن قیم اور ابن عبد الهادی وغیرهما اور یہ تو علماء اعلام کی انصاف پسندی اور نیک نیتی تھی کہ انہوں نے ابن تیمیہ کی اچھی صفات کا انکار نہیں کیا اور خرابی اِس سے پیدا ہوئی کہ علماء اعلام نے ابن تیمیہ کے محاسن بیان کرنے میں عجلت سے کام لیا جیسا کہ علامہ کوثری نے ذکر کیا اِس سے ایک طرف تو اُس کے طرفداروں نے اُس کے بارے میں غُلو کیا، دوسری طرف خود اُس میں گھمنڈ پیدا ہوا اور وہ اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھنے لگا، چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں، اُس کو خیال پیدا ہوا کہ

نشہ آور سمجھتے ہیں اگر بالفرض ہم یہ تسلیم کرلیں کہ وہ مُسکر ہے، نشہ آور ہے تب بھی

وہ مجتہد ہو گیا ہے، اُس نے علماءِ کرام پر کیا چھوٹے کیا بڑے، کیا اگلے کیا پچھلے سب ہی پر ردّ کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچ گیا اور کسی بات میں اُن کو برخطا کہہ دیا کہ یہ بات شیخ (ابو اسحاق) ابراہیم (بن احمد بن محمد) الرقی تک پہنچی اور انہوں نے اِس کا انکار کیا، چنانچہ ابن تیمیہ نے اُن کے پاس جا کر عذر خواہی اور استغفار کی، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق کہہ دیا کہ ستر (۷۰) جگہ اُن سے خطا ہوئی ہے وہ نصّ کتاب کی مخالفت کر گئے اور وہ حنبلیّت کی بناء پر اشاعرہ پر اعتراضات کر رہا تھا کہ امام غزالی کو گالی دے بیٹھا، چنانچہ کچھ لوگ برافروختہ ہو گئے اور قریب تھا کہ اُسے قتل کر دیتے۔ (الدُّرُّ الكامنة، حرف الألف، ذكر من اسمه أحمد، برقم: ٤٠٩، ١٥٣/١، ١٥٤)

ابن تیمیہ نے جب بعض اہم مسائل میں اہل السنّۃ کی مخالفت کی تو علماءِ کرام نے اُس کا بھرپور ردّ کیا خصوصاً اللہ تعالیٰ کی جہت وجانب اور مکان ومحل کے عقیدہ کا ردّ وابطال، چنانچہ امام یوسف بن اسماعیل نبہانی متوفی ۱۳۵۰ھ لکھتے ہیں، ابن تیمیہ کے معاصرین میں سے امام صدر الدین بن وکیل المعروف ابن مرحل شافعی ہیں جنہوں نے اُس کے ساتھ مناظرہ بھی کیا تھا، اور امام ابوحیان ہیں جو کہ اُس کے انتہائی گہرے دوست تھے مگر جب اُس کی بدعات پر مُطّلع ہوئے تو اُس کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا اور لوگوں کو اُس سے دُور رہنے کا حکم دیا، اور امام عزالدین ابن جماعہ ہیں جنہوں نے ابن تیمیہ کا زبردست ردّ کیا اور اس پر سخت تشنیع کی، ابن تیمیہ پر ردّ وقدح کرنے والوں میں سے امام کمال الدین زملکانی شافعی ہیں جن کی وفات ۷۲۷ھ میں ہوئی، ابن الوردی نے اپنی کتاب ''تاریخ'' میں اُن کے متعلق فرمایا کہ وہ علم کے سمندر تھے، مختلف فنون پر کامل دسترس رکھتے تھے فتوی میں انتہائی دقیقہ سنج تھے اور پختہ فکر کے مالک۔ ''كشف الظّنون'' میں اُن کی تصنیف کردہ کتاب ''كتاب الدرة المضية فى الردّ على ابن تيمية'' کا ذکر کیا گیا ہے انہوں نے ابن تیمیہ کے ساتھ ان مسائل میں مناظرہ کیا جن میں اُس نے مذاہبِ اربعہ سے شذوذ اور علیحدگی اختیار کی تھی جس میں سے ایک انتہائی قبیح اور بدترین نظریہ یہ بھی تھا کہ انبیاء وصالحین اور علی الخصوص سید المرسلین ﷺ کی قُبور کی زیارت کے لئے سفر کرنا ممنوع ہے اور آنحضرت ﷺ اور دیگر مرسلین وصالحین کے ساتھ توسُّل واستغاثہ بھی ممنوع ہے اور اُن کا اکابرین ملّت میں سے امام کبیر وشہیر تقی الدین سبکی شافعی ہیں جنہوں نے اپنی تصنیف کردہ کتاب ''شفاء السِّقام فى زيارة خير الانام عليه الصّلاة و السّلام'' میں ابن تیمیہ کا ردّ کرتے ہوئے فرمایا: یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ توسُّل واستغاثہ اور اُن سے طلبِ شفاعت جائز ومستحسن ہے اور اِس کا حُسن اور جواز شرعی ہر دیندار کے نزدیک معلوم ومعروف، اور انبیاء ومرسلین، سلف صالحین اور علماءِ عوام مسلمین کے معروف ومشہور سیرت وطریقہ سے ہے، نہ کسی مومن نے اِس کا انکار کیا اور نہ ہی ابن تیمیہ کے ظہور سے قبل کسی زمانہ میں اِس کا انکار سننے میں آیا، یہی

اُسے استعمال کرنے والا گُناہگار ہوگا نہ کہ مشرک۔ پھر یہ کس دلیل سے ثابت

وہ پہلا شخص تھا جس نے اِس مسئلہ پر کلام کیا اور سادہ لوح حنیف ایمان والے لوگوں پر اِس مسئلہ کو خلط ملط کر دیا اور ایک ایسی بدعت پیدا کر دی جس کا پہلے تمام زمانوں میں کسی نے نام تک نہ لیا اور اِس قول کی لغویت وبیہودگی کے لئے یہی قدر کافی ہے کہ ابن تیمیہ سے قبل کوئی عالم استغاثہ وتوسُّل کا منکر نہیں ہوا، اور یہی شخص اِس قول کی وجہ سے اہلِ اسلام کے درمیان ضرب المثل بن گیا۔ (شواهد الحق، الباب الرّابع فى نقل عبارات علماء المذاهب الأربعة فى الردّ على ابن تيمية، ص١٣٢)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی جو کہ اُمت حتی کہ وہابیہ جو ابن تیمیہ کے متبعین ہیں وہ بھی آپ کی جلالتِ قدر اور عزارتِ علم اور کتاب وسنت کے علم میں مہارت کے متفق ہیں اور یہ کہ آپ خاتمۃ الحفاظ ہیں اور آپ کے بعد آپ کی مثل پیدا نہیں ہوا (شواهد الحق، الباب الرابع، ص١٣٤) نے بھی ابن تیمیہ کا ردّ کیا ہے، اپنی تصنیف ''فتح البارى شرح صحيح البخارى'' میں حدیث رسول ﷺ ''لا تَشُدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلى ثَـلَاثَةِ مَسَاجِدَ'' کے تحت امام سبکی کا ابن تیمیہ پر زیارت کو حرام قرار دینے کا ردّ ذکر کر کے اور امام سبکی کی تائید وتصدیق کرتے ہوئے فرمایا: زیارت رسول ﷺ کے لئے سفر کرنا حرام قرار دینا اُن مسائل میں سے قبیح ترین ہے جو ابن تیمیہ سے منقول ہیں (فتح البارى شرح صحيح البخارى، كتاب فضل الصلوٰة فى مسجد مكة و المدينة، باب فضل الصّلاة فى مسجد مكة و المدينة، الجزء الثالث و الرابع، ص٨٥)

اور دکتور محمود السید صبیح نے لکھا ہے کہ جن علماء نے ابن تیمیہ کی مذمّت کی اُن میں ابن الرفعہ، باجی، ابن الزملکانی، صفی الدین ہندی، ابن المرحل، تقی الدین سبکی، تقی الدین حصنی، علاء البخاری اور دوسرے ہیں (أخطاء ابن تيميه فى حق رسول الله ﷺ و أهل بيته، ص١٤)

اور ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں لکھا کہ دمشق میں حنابلہ کے کِبار فقہاء میں سے ابن تیمیہ تھے جو شام کے بڑے (عالم) تھے اور فنون میں کلام کرتے تھے مگر اُن کی عقل میں کچھ فتور تھا، میں جب دمشق میں تھا تو جمعہ کے روز اُس کے پاس گیا اور وہ جامع مسجد میں منبر پر لوگوں کو وعظ کر رہا تھا اور انہیں نصیحت کر رہا تھا اُس کے من جملہ کلام سے یہ تھا کہ ''اللہ تعالیٰ آسمان دنیا سے نُزول فرمائے گا میرے اِس نُزول کی طرح اور یہ کہتے ہوئے وہ منبر کے درجوں میں سے ایک درجہ اُترا۔

اور حافظ ولی الدین عراقی نے بھی فرمایا کہ ''مگر شیخ تقی الدین ابن تیمیہ...... تو جیسا کہ اُس کے بارے میں کہا گیا اُس کا علم اُس کی عقل سے زائد تھا میں نے اُس کو کثیر مسائل میں فرق اجماع تک پہنچا دیا۔ (أخطاء ابن تيميه فى حقّ رسول الله ﷺ و أهل بيته، ص١٥)

اور علامہ احمد بن حجر ہیتمی شافعی متوفی ۹۷۳ھ نے ''الجوهر المنظّم فى زيارة القبر الشّريف النّبوى

ہے کہ وہ نشہ آور ہے؟ کیونکہ سگریٹ بنانے میں کوئی نشہ آور چیز نہیں ڈالی جاتی

المکرم"، میں فرمایا "میں کہتا ہوں کہ وہ ابن تیمیہ کون ہے کہ اُس کی طرف نگاہ کی جائے، یا اُمورِ دین میں سے کسی شئے میں اُس کی جانب رجوع کیا جائے، وہ نہیں ہے مگر جیسا کہ ائمہ دین کی ایک بڑی جماعت نے کہا کہ جس جماعت نے اُس کے کلماتِ فاسدہ اور اُس کی کاسدہ حجتوں کا تعقّب کیا ہے یہاں تک کہ اُس کے گرے ہوئے ہونے اور اُس کے اوھام کی قباحت اور اُس کی غلطیوں کو ظاہر کیا جیسے عزبن جماعہ کہ "یہ ایک بندہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا اور اسے رُسوائی کی چادر پہنا دی، افتراء وکذب کے قوت کا ٹھکانہ دیا کہ جس کا انجام خواری ہے اور اُس کے لئے محرومی کو واجب کر دیا" (هداية السّالك، ٣/١٣٨٤) یہ جو ابن تیمیہ سے واقع ہوا اُس میں سے جو ذکر کیا گیا اگرچہ ایسا ہے جو ہمیشہ کے لئے نہ کیا جائے اور ایسی مصیبت ہے کہ جس کی شومی ہمیشہ رہے گی (الجوهرة المنظّم فی زیارة القبور المکرم، تنبیه هام فی الردّ علی من اعتقد أن الزّیارة تنافی التّوحید، ص٥٧)

اور "فتاویٰ حدیثیه"، میں لکھتے ہیں کہ "ابن تیمیہ" نے بہت سے مسائل میں علمائے حق کی مخالفت کی ہے جس کی نشاندہی امام تاج الدین سبکی وغیرہ نے کی ہے تو جن مسائل میں اُس نے خرق اجماع کیا اُن میں سے چند یہ ہیں، حالتِ حیض میں اور جس طہر میں ہمبستری کی ہے طلاق واقع نہیں ہوتی، نماز اگر قصداً چھوڑ دی جائے تو اُس کی قضاء واجب نہیں، اور حالتِ حیض میں طوافِ بیت اللہ جائز ہے اور کوئی کفّارہ نہیں، تین طلاق سے ایک ہی پڑتی ہے، اور تیل وغیرہ پتلی چیزیں چوہا وغیرہ مرنے سے نجس نہیں ہوتیں، اور ہمبستری سے غسل کرنے سے پہلے رات میں نفل نماز پڑھنا جائز ہے اگرچہ شہر میں ہو، اور جو شخص اجماعِ اُمّت کی مخالفت کرے اُسے کافر وفاسق قرار نہیں دیا جائے گا، اور خُدا تعالیٰ کی ذات میں تغیر وتبدّل ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے اور اُس کے لئے جہت اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا قائل ہے، اور کہتا ہے کہ خُدا تعالیٰ بالکل عرش کے برابر ہے نہ اُس سے چھوٹا ہے اور نہ بڑا، اور یہ بھی کہتا ہے کہ جہنم فنا ہو جائے گی، اور یہ بھی کہتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم نہیں ہیں، اور رسول اللہ ﷺ کا کوئی مرتبہ نہیں اور اُن کو وسیلہ بنانا جائز نہیں، اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا گناہ ہے ایسے سفر میں نماز کی قصر جائز نہیں اور جو شخص ایسا کرے گا وہ حضور ﷺ کی شفاعت سے محروم رہے گا۔ ملخصاً (الفتاویٰ الحدیثیة، مطلب فیما جری من ابن تیمیة، ص ١٠٠)

اور لکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ ایسا شخص ہے کہ خُدا تعالیٰ نے اُسے نامراد کر دیا اور اُس کی بصارت وسماعت کو سلب فرما لیا اور اُس کو ذلّت کے گڑھے میں گرا دیا اور اِن باتوں کی تصریح اُن ائمہ کرام نے فرمائی ہے جنہوں نے اُس کے احوال کے فساد اور اُس کے اقوال کے جھوٹ کا پول کھولا جو شخص اِن باتوں کا تفصیلی علم حاصل کرنا چاہے وہ اُس امام کے کلام کا مطالعہ کرے جن کی امامت وجلالت پر سب علماء کرام کا اتفاق ہے

بلکہ اُس میں تو ایک معروف گھاس ڈالی جاتی ہے اور اُس تمبا کو میں جسے عموماً

جو مرتبہ اجتہاد پر فائز ہیں یعنی حضرت ابوالحسن سبکی رحمۃ اللہ علیہ اور تاج الدین سبکی کے فرزند، امام عزالدین بن جماعہ اور انُ کے ہمعصر شافعی، مالکی اور حنفی علماء کی کُتُب کو پڑھے، ابن تیمیہ کے اعتراضات فقط متاخّرین صوفیہ ہی پر نہیں بلکہ وہ تو حد سے بڑھ گیا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب اور امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسی مقدس ذاتوں کو بھی اپنے اعتراضات کا نشانہ بنا ڈالا، خلاصہ یہ کہ ابن تیمیہ کے کلام میں کوئی وزن نہیں بلکہ وہ اِس قابل ہیں کہ گڑھوں اور کنوؤں میں پھینک دی جائیں اور ابن تیمیہ کے بارے میں یہی اعتقاد رکھا جائے کہ وہ بدعتی، گمراہ، دوسروں کو گمراہ کرنے والا، جاہل اور حد سے تجاوز کرنے والا ہے، خُدا تعالیٰ اُس سے انتقام لے ہم سب لوگوں کو اس کی راہ اور اس کے عقائد سے اپنی پناہ میں رکھے۔ (الفتاویٰ الحدیثیة، مطلب: اعترض ابن تیمیة علی متأخّری الصّوفیة و له خوارق الخ، ص٩٩)

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی شافعی کے ردّ ابن تیمیہ کا احوال امام یوسف بن اسماعیل نبہانی شافعی متوفی ١٣٥٠ھ یوں لکھتے ہیں کہ "امام موصوف نے ابن تیمیہ پر ردّ وقدح کے معاملہ میں انتہائی شِدّت سے کام لیا جس میں دین متین کا تحفّظ بھی مطلوب ہے، اہلسنّت پر شفقت بھی ہے تا کہ کہیں ابن تیمیہ کی لغزشات اور مغالطات فاحشہ اُن تک بھی سرایت نہ کر جائیں اور خاص طور پر سید دو عالم، فخر مرسلین ﷺ کے متعلق اُس کی کج روی اور غلط سوچ سے اہلِ اسلام کا تحفظ ضروری ہے۔ اور جو شخص بھی بنظر انصاف اِس امام زمانہ (یعنی ابن حجر ہیتمی) کے انداز واُسلوب کو دیکھے گا وہ اُن کی ولایت کی گواہی دے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو مستقبل قریب میں ابن تیمیہ کے اقوال پر مترتب ہونے والے نقصانات سے مطلع فرما دیا یعنی فرقہ وہابیہ کا ظہور وخُروج جن کی اصل بنیاد رہی ابن تیمیہ ہے وہی اُن کے عقائد ہیں جو ابن تیمیہ کے تھے اور وہی اُن کا سرمایہ، استدلال واستناد ہے اور وہی اِس فساد کی جڑ ہے اور ضرر ونقصان اہلِ اسلام کو اُن سے پہنچا ہے اور علی الخصوص حرمین شریفین اور سرزمینِ عرب میں اہلِ اسلام اور اسلام کو اُن کی وجہ سے جو نقصان پہنچا وہ کسی بھی صاحب ایمان پر مخفی نہیں ہے لہٰذا عین ممکن ہے اور بالکل قرینِ قیاس یہ احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام ابن حجر کو اِس امر پر از روئے کرامّت مُطّلع کر دیا ہے اور وہ اِس کے اہل بھی ہیں کیونکہ وہ اکابر علماء عاملین میں سے ہیں اور ائمہ ھادیّن ومہدیّین یں سے اُن کا علم اور اُن کی کُتُب جو اُمت کے لئے انتہائی مفید ہیں اور انہوں نے اپنی تصانیف سے اُمت کی وہ خدمت کی ہے جس پر اُس وقت سے لے کر آج تک اُن کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے فیوض و برکات سے دنیا کو معمور کر دیا ہے اور تمام بلادِ اسلام میں خواص وعوام نے اُن سے استفادہ کیا ہے۔

جس شخص کا یہ منصب ومقام ہو تو کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو بعض غیوب پر اطلاع کی کرامت سے

عرب ''تتن'' کہتے ہیں کسی قسم کا کوئی نشہ نہیں ہوتا کہ نشہ کس بلا کا نام ہے وہ

سرفراز فرمایا ہوا اور اس ابن تیمیہ کے نامہ اعمال میں وہ فضائح وقبائح بھی مندرج ہیں جو اِس کی اتباع میں فرقہ وہابیہ کی وجہ سے اہلِ اسلام اور ملّتِ اسلامیہ کو نقصانات اُٹھانے پڑے ہیں۔ اسی لئے امام موصوف نے ابن تیمیہ پر سب ائمہ اعلام اور علماء کرام کی نسبت سخت تنقید کی اور آپ بہت سخت عبارات کے ساتھ اُس کا ردّ فرماتے تھے جس میں اہلِ اسلام پر شفقت ہے اور دینِ متین کی حمایت وحفاظت، اُن کی عبارات تمام کُتُب میں موجود ہیں خصوصاً ''فتاویٰ حدیثیہ'' میں (شواھد الحقّ، الباب الرّابع، ص ۱٤۲)

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اِن نقول وتصریحات اور علماء اعلام کی تصانیف سے دوپہر کے آفتاب کی مانند واضح ہو گیا کہ مذہب اربعہ کے علماء اعلام ابن تیمیہ کے بدعات پر ردّ وقدح میں متفق ہیں، بعض حضرات نے اُس کے حوالہ جات کی صحتِ نقل کے لحاظ سے اُس پر اعتراض کیا ہے (یعنی ابن تیمیہ اِس معاملہ میں بد دیانتی سے کام لیتا تھا) اور بعض نے اُس کے عقل کی کمی کے اعتبار سے اور اُس کے مسائل پر طعن وتشنیع کیا، اس کے علاوہ ہے جن میں اُس نے شُذوذ اختیار کیا ہے اور اجماعِ اُمّت کی مخالفت کی ہے اور خطاء فاحش کا مرتکب ہوا خصوصاً اُن مسائل میں کہ جن کا تعلق سید المرسلین فخر الاولین والآخرین ﷺ سے ہے، جن حضرات نے اس پر عدم صحت نقل کے لحاظ سے اعتراض کیا ہے اُن میں علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی شارح شفاء امام محمد زرقانی مالکی شارح مواہب اور امام سبکی شافعی قابل ذکر ہیں اور امام سبکی نے ''الشفاء السقام'' میں ابن تیمیہ کی نظریاتی خطاء کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اُن احکام شرعیہ کی صحتِ نقل کے لحاظ سے بھی اس کی خطاء واضح کی ہے جن کو مختلف علماء اعلام کی طرف منسوب کر کے اُس (یعنی ابن تیمیہ) نے نقل کیا۔

تا کہ اپنی بدعات (وضلالات) کی تائید وتقویت حاصل کرے حالانکہ انہوں نے قطعاً یہ اقوال واحکام ذکر نہیں کئے تھے اور امام ابن حجر ہیتمی نے بھی اپنے ردوقدح میں ابن تیمیہ پر یہ اعتراض کیا ہے۔

اور یہ امر کسی بھی صاحبِ ہوش وعقل پر مخفی نہیں ہے کہ نقل میں بد دیانتی سے کام لینا عالم کے اندر بڑا عیب ہے اور انتہائی بد اخلاقی جس سے اس پر وُثوق واعتماد ختم ہو جاتا ہے اگرچہ واحفظ الحفّاظ واعلم العلماء کیوں نہ ہو۔ (شواھد الحق، الباب الرابع، ص ۱٤۳)

حافظ ابن حجر اور امام عینی کے استاد حافظ کبیر زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی نے بھی ابن تیمیہ کا ردّ کیا جس سے ابن تیمیہ کی نقل کے غیر معتبر ہونے کی تائید ہوتی ہے، حافظ عراقی نے ابن تیمیہ کے ایک جواب پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا ''مجھے ابن تیمیہ جیسے عالم سے سرزد ہونے والے یہ اقوال دیکھ کر بہت زیادہ حیرانگی ہوئی کہ یہ شخص جس کے متعلق اُس کے متبعین یہ کہتے ہیں کہ وہ علام سنّت کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اور اُن کی حقیقت سے پوری طرح باخبر ہے الخ (شواھد الحق، الباب الرابع، ص ۱٤۳، ۱٤٤)

اور کچھ نے ابن تیمیہ کی تکفیر بھی کی ہے جیسے ملا علی قاری حنفی اور شہاب الدین خفاجی حنفی وغیرہما (شواھد الحقّ، الباب الرّابع، التنبیہ الثّانی، ص ٤٠) (فتویٰ ختم ہوا)

معلوم ہے، نشہ کی ابتداء نشاط ومستی ہے اور پھر عقل کا جاتا رہنا جس کے نتیجے میں منظوم کلام اور عاقلانہ گفتگو میں خلل واقع ہو جاتا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ کبھی اِس میں اسراف اور ضرر ونقصان کی جہت سے حُرمت کا داخلہ ہو جاتا ہے اور ناگوار بُو کے سبب کبھی یہاں کراہت راہ پاتی ہے۔ (۱۴) رہا مونچھوں کو مونڈنے کا معاملہ کہ جس کا حدیث میں حکم دیا گیا ہے تو مونچھ کے بارے میں سنّت یہ ہے کہ مونچھیں اِس قدر رہوں کہ اُس کے نیچے کی کھال کی سرخی ظاہر ہوتی ہو جیسا کہ علماءِ عِظام نے اِس پر تنبیہ کی ہے اور بعض علماء نے ذکر کیا کہ مونچھوں کو سرے سے مُونڈ دینا یہ خِلقت کو بدنما کرتا ہے تو اِس صورت میں مونچھوں کو بالکلیہ مُونڈ دینا مکروہ (تنزیہی) ہوگا (۱۵)

امام غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی نے ''اِحیَاءُ عُلُومِ الدِّیْن'' میں فرمایا: **حِفَافُ الشَّیِٔ أیْ حَوْلَهُ**

یعنی حفاف کا معنی ہے اردگرد۔

تو ''حِفَافُ الشَّیِٔ'' کا معنی ہو گا شئ کے اردگرد اللہ تعالی کے فرمان: ﴿وَ تَرَی

۱۴۔ صدر الشّریعہ حُقّہ وبیڑی پینے کا حکم شرعی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اگر حُقّہ اس طرح پیا جائے کہ آدمی بیخود ہو جائے اور حواس جاتے رہیں تو پینا حرام ہے حدیث میں ہے: ''نَهی عَن کُلِّ مُسکرٍ وَ مُفترٍ'' اور اگر یہ بات نہ ہو تو دو صورتیں ہیں، اگر پینے سے منہ میں بدبو آ جائے تو یہ پینا مکروہِ تنزیہی ہے اور اُس کا حکم کچّے لہسن وپیاز کا سا، اور اگر تازہ کر کے خوشبودار تمبا کو پیا جائے کہ نہ بیہوش ہو نہ منہ میں بدبو آئے تو مُباح ہے، اُس کی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں اور بیڑی میں بدبو ہوتی ہے لہٰذا مکروہِ تنزیہی ہے۔ (فتاویٰ امجدیہ، ٤/ ۲۲۰ ملخصاً)

۱۵۔ صدر الشّریعہ نے ''فتاویٰ امجدیہ'' میں مونچھ ترشوانے، کٹوانے نیز اُس کی حدّ کے متعلق کئے گئے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: حدیث میں ارشاد فرمایا: ''اُحْفُوا الشَّوَارِب'' ''مونچھوں کو کم کرو' اِس میں اختلاف ہے کہ مونڈانا سنت ہے یا نہیں؟ بعض نے اُس کو سنت کہا اور بعض نے بدعت۔ مونچھ کترنے کی حدّ یہ ہے کہ بالائی لب کے بالائی کنارے تک ہو۔ (فتاویٰ امجدیہ، ٤/ ۱۹۵ ملخصاً)

الْمَلَائِکَۃَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ﴾ (۱۶)

میں '' حَآفِّیْنَ ''، اِسی معنی میں ہے، اور جب ہم نے یہ تسلیم کرلیا کہ مونچھوں کو مُونڈ نا سنّت ہے تو اُسے ترک کرنا یعنی مونچھیں نہ مونڈ نا مکروہ ہوگا نہ کہ شرک، اب رہا انبیاء کرام اور صالحین کے مزارات کی زیارت کا مسئلہ تو ہمیں اُن لوگوں کے بارے میں یہ گُمان نہیں کہ مشروع طریقہ جو کہ احادیث میں وارد ہے اُس کے مطابق اگر زیارتِ قُبور کی جائے تب بھی وہ اس کا انکار کریں گے (۱۷) کہ ابنِ تیمیہ نے اِس باب میں وارد احادیثِ صحیحہ کو اپنی کتاب

۱۶۔ الزّمر: ۳۹/ ۷۵، ترجمۂ کنزالایمان: اور تم فرشتوں کو دیکھو گے عرش کے آس پاس حلقہ کئے۔

۱۷۔ یہ بات علاّمہ ابراہیم رفاعی علیہ الرحمہ نے بَر بنائے حُسنِ ظن فرمادی، ورنہ محمد بن سعود کے بیٹے عبدالعزیز نے اپنے رسالہ میں لکھا: مقابر اور مآثر کی زیارت کے لیے سفر کرنے کے متعلق صحیح احادیث میں ممانعت موجود ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ''صحیحین'' اور کُتُبِ صِحاح میں مروی ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''کسی مسجد کی طرف سوائے تین مسجدوں کے سفر نہ کیا جائے جن میں سے ایک مسجدُ الحرام دوسری مسجدِ اقصٰی اور تیسری مسجدِ نبوی ہے''. ظاہر ہے جب تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنا منع ہے تو مقابر اور مآثر کی طرف تو بطریقِ اَوْلٰی سفر ناجائز ہوگا اور اُن مساجد کی طرف بھی سفر، نماز، دعا، ذکرِ الٰہی، تلاوتِ قرآنِ مجید اور اعتکاف وغیرہ اعمالِ صالحہ کے لیے ہوگا .اور اُن مساجد کے علاوہ دوسری مساجد کی طرف سفر کرنا باتفاقِ اہلِ علم ناجائز ہے حتی کہ مسجدِ قُبا کی طرف بھی دُور دراز سے سفر کر کے جانا ناجائز ہے ہاں کہیں نزدیک سے جیسا کہ مدینہ منورہ سے مسجد قبا کی طرف ارادہ کر کے جانا مسنون ہے. چناچہ نبی کریم ﷺ ہر ہفتہ کے روز پیدل یا سوار مسجدِ قبا کو تشریف لے جاتے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اِس سنّت کے مطابق عمل پیرا ہوتے .کیونکہ مسجد قُبا کی تاسیس و بنیاد مسجدِ نبوی کی طرح تقوی وطہارت پر تھی لیکن اس میں مسجدِ نبوی کو کمال اور مزید شرف وعظمت حاصل ہے اسی لیے نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ہر جمعہ کے روز اپنی مسجد میں نماز جمعہ پڑھتے اور ہفتہ کے روز مسجد قبا میں تشریف لے جاتے۔

جب ان تین مساجد کے علاوہ دوسری مساجد کی طرف سفر کرنا شرعاً ممنوع ہے حالانکہ خود وہاں کے لوگوں کے لیے بعض حالات میں ان مساجد میں جانا واجب اور بعض حالات میں مستحب ہوتا ہے اور باوجود کہ یہ مساجد کی طرف چل کر جاتے ہیں بیشمار فضائل مروی ہیں .تو پھر قُبور کی طرف سفر کر کے جانا کیونکر شرعاً جائز اور موجب ثواب ہوسکتا ہے بلکہ یہ تو بطریقِ اَوْلٰی ممنوع ہوگا.

اِس میں کوئی شک نہیں کہ قُبور کی زیارت پہلے ممنوع کر دی گئی تھی اور بعد میں جو اجازت فرمائی وہ مطلق تھی

''اقتضاء الصّراط المستقیم'' میں ذکر کیا ہے یہ وہ کتاب ہے جو اُن لوگوں کے لئے مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، اُس نے اپنی اِس کتاب میں مناسک کا، نبی ﷺ کی قبرِ مبارک کی زیارت کا اور اہلِ بقیع کی نیز مدینۂ منوّرہ میں موجود دیگر مقدّس مقامات کی زیارت کا ذکر کیا ہے اور عنقریب میں اِسے تفصیلاً بیان کروں گا لیکن جن کاموں پر یہ لوگ انکار کرتے ہیں اور جس کام کو انجام دینے والے کو یہ لوگ شرک کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ لوگ دورانِ زیارتِ قُبور خلافِ شریعت کام کرتے ہیں جیسے صاحبِ مزار کی تعظیم میں مبالغہ سے کام لینا نیز اُس کو سجدہ کرنا (۱۸) تو اِس کی حرمت کے معاملے میں یہ لوگ اور عام مسلمان متفق ہیں اور رہے وہ اُمور جن میں علماء کا اختلاف ہے جیسے قبر کا چُومنا اُسے ہاتھ لگانا اس کا طواف کرنا (۱۹)

لیکن دوسری صحیح احادیث میں قبروں کی زیارت کے لیے سفر کرنا ناجائز اور ممنوع قرار دیا جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں. (تحفہ وھّابیہ، ص: ۱۵، ۱۶ ملخصًا)

۱۸۔ **مزارِ اولیاء کو سجدہ کرنے کا حکم:** امامِ اہلسنّت اس حوالے سے حکمِ شرعی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: غیرِ خُدا کو سجدۂ عبادت شرک ہے۔ سجدۂ تعظیمی شرک نہیں، مگر حرام ہے گُناہِ کبیرہ ہے متواتر حدیثیں اور متواتر نصوصِ فقہیّہ سے اُس کی حُرمت ثابت ہے (فتاویٰ رضویہ، ۲۲/ ۵۶۵)

۱۹۔ مزاراتِ اولیاء کی شرعی حیثیت نیز طواف کی اَقسام بمع اَحکام جیسی تحقیقِ اَنیق امامِ اہلسنّت نے فرمائی ہے اِس کی مثل کلامِ علماء میں یکجا نظر نہیں آتی، قارئین کی ضیافتِ طبع کے لئے اس مبارک فتویٰ کو ملخصًا پیش کیا جا رہا ہے: طواف لُغۃً، عُرفاً، شرعاً پھیرے کرنے کو کہتے ہیں خواہ وہ دو چیزوں کے درمیان آمد و رفت کی صورت میں ہو یوں کہ ایک پھیرے کے ابتداء و انتہاء کی جگہیں جُدا جُدا ہوں یا ایک ہی چیز کے گرد دائرے کی صورت میں پھیرا کیا جائے کہ ابتداء و انتہاء کی جگہ ایک ہو، لُغت وعُرف اور شریعت نے اِن دونوں صورتوں کو طواف قرار دیا ہے، پہلی صورت کی مثال صفا و مروہ کے درمیان سعی ہے اور دوسری صورت کی مثال کعبۂ معظّمہ کے گرد پھرنا ہے۔

یہ طواف کی حقیقت ہے، طواف کرنے والے کی نیّت اور اُس کے مقصد کے بدلنے سے طواف کی حقیقت تبدیل نہ ہوگی وہ پھیرے طواف ہی کہلائیں گے کہ نیّت شے کا رکن نہیں ہوتی اور جو چیز غایت ہو وہ شئے کی ماہیّت سے خارج ہوتی ہے ظاہر ہے، طواف فقط تعظیم کے لیے نہیں ہوتا بلکہ طواف کبھی تفریح کے لیے، کبھی فقراء میں صدقات وغیرہ کی تقسیم کے لئے اور کبھی عذاب دینے کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ جہنمیوں کو یہ عذاب دیا جائیگا وہ آگ اور کھولتے پانی کے درمیان طواف کرتے یعنی پھیرے لگاتے ہوں گے۔ پس

طواف کی چار قسمیں ہوئیں۔

پہلی قسم: طواف خود مقصود نہ ہو اور نہ اُس سے مقصود تعظیم ہو بلکہ طواف کسی اور فعل تک پہنچنے کا ذریعہ ہو جیسا کہ فقیروں کا لوگوں کے دروازوں پر طواف یعنی پھیرا لگانا کہ پھیرا لگانا خود مقصود نہیں بلکہ مقصود اپنی مراد کو حاصل کرنا ہے۔

دوسری قسم: طواف خود مقصود ہو لیکن اُس سے مقصود تعظیم نہ ہو۔

تیسری قسم: طواف کسی دوسرے فعلِ مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ اور سبب ہو خود مقصود نہ ہو لیکن اس طواف سے مقصود تعظیم وتوقیر ہو جیسا کہ نوکر چاکر غلام اپنے مالکوں اور آقاؤں کے گرد طواف کرتے یعنی پھرتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر جنّتی افراد کی خدمت پر مامور لڑکوں کا اہلِ جنّت پر طواف کرنا ذکر فرمایا۔

اِسی قسم کے تحت یہ صورت بھی آتی ہے کہ خانۂ کعبہ کے علاوہ کسی اور شے کا طواف ہو لیکن اُس طواف سے مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو جیسا کہ ''صحیح مسلم'' میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے نبی کریم ﷺ ایک ہی غسل سے اپنی ازواج مطہّرات پر طواف فرماتے، جماعِ زوجہ کے عبادت ہونے کی صراحت کلامِ علماء میں ہے۔

چوتھی قسم: طواف خود مقصود ہو کسی دوسرے فعل تک پہنچنے کا ذریعہ نہ بن رہا ہو اور اس طواف سے خالص تعظیم ہی مراد ہو جیسے طوافِ کعبہ یا طوافِ صفا ومروہ کہ اسی کو طوافِ تعظیمی کہتے ہیں۔

بدن سے کئے جانے والے افعال کہ عبادت میں مقرر کئے گئے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) ایک وہ جو تعظیم ہی کے لیے ہوتے ہے.

(۲) دوسرے وہ کہ کبھی وہ خود مقصود ہوتے ہیں اور کبھی وہ کسی دوسرے فعل کے لیے سبب ہوتے ہیں اور وہ فقط تعظیم ہی کے لیے نہیں ہوتے بلکہ جب اُن سے تعظیم مقصود ہو تو تعظیم کا فائدہ دیتے ہیں مگر تعظیم اگر مقصود ہو تو اس صورت میں یہ قسمِ اوّل سے قریب ہوتے ہیں جیسے حدِّ رکوع تک جھکنا کہ کبھی یہ تعظیم کے لیے نہیں ہوتا بلکہ توہین کے ارادے سے ہوتا ہے جیسے کسی کے مارنے کے لیے اینٹ اٹھانے کے لیے جھکنا اور کبھی یہ جُھکنا تعظیم کے لیے ہوتا ہے مگر خود جُھکنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ کسی اور کام کے لیے وسیلہ ہوتا ہے جیسے عُلماء اور صُلحاء کی قدم بوسی وغیرہ خدمات کو جھکنا اور کبھی حدِّ رکوع تک تعظیماً جُھکنا خود مقصود ہوتا ہے جیسے سلام کرنے میں حدِّ رکوع تک جھکنا۔

(۳) تیسری قسم اور پہلی قسم میں بہت فرق ہے جیسے کسی کے لیے قیام کرنا یا کسی کے سامنے قعدہ کی حالت میں بیٹھنا یا کسی کے لیے رکوع سے کم جُھکنا تو ظاہر ہے کہ اس میں بھی دوسری قسم کی طرح اُس فعل کے خود

مقصود ہونے، اُس کے دوسرے فعل کے لیے سبب ہونے وغیرہ کی سب صورتیں پائی جاتی ہیں۔

ان تینوں اقسام میں حکمِ عام تو یہ ہے کہ اگر غیر اللہ کی عبادت کی نیّت ہے تو کوئی بھی فعل کیا جائے وہ مطلقاً شرک اور کُفر ہے اور اگر غیر اللہ کی عبارت کی نیت نہ ہو تو کوئی فعل ہرگز کُفر وشرک نہیں اگرچہ غیر اللہ کو سجدہ ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں! اگر وہ فعل کُفّار کا مخصوص شعارِ کُفر ہو تو بے نیّتِ عبادت بھی اُس فعل کو انجام دینا کُفر ہوگا جیسے بُت یا سورج کو سجدہ کرنا. اور جب غیر اللہ کی عبادت کی نیّت نہ ہو تو اِن تینوں اقسام احکام میں فرق یہ ہوگا کہ پہلی قسم کے افعال غیر اللہ کے لیے کرنا مطلقاً ناجائز ہے اور دوسری قسم کے افعال اُس وقت تک ممنوع ہے جب کہ وہی مقصود ہو اور اُن کو تعظیم کی نیت سے کیا جائے اور تیسری قسم کے افعال مطلقاً جائز ہے اگرچہ ان سے تعظیم مقصود ہو۔

وہ مخصوص افعالِ بدنیہ تعظیمیہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے مقرر فرمائے ہیں اُن میں دونوں قسم کا طواف خواہ وہ طواف مستقیم ہو جیسے صفا ومروہ کا طواف خواہ دائرہ کی صورت میں ہو جیسے کعبۃُ اللہ کا طواف، غور طلب بات یہ ہے کہ مزارات کا طواف کرنا مذکور بالا تین اقسام میں سے کس سے تعلق رکھتا ہے یہ بالکل واضح ہے کہ طواف کا تعلق پہلی قسم سے نہیں ورنہ طواف بھی غیر اللہ کے لیے سجدہ کی طرح مطلقاً حرام ہوتا ہے حالانکہ ایسا نہیں اور نہ ہی طواف کا تعلق تیسری قسم سے ہے ورنہ ہر قابلِ تعظیم جگہ کا طوافِ تعظیمی جائز ہوتا بلکہ طواف کا تعلق دوسری قسم سے ہے یعنی طواف رُکوع کی مثل ہے کہ اگر طواف سے خاص تعظیم مقصود ہو تو غیرِ خُدا کے لئے ناجائز بلکہ جن اشیاء کے طواف کا شرعاً حکم ہے اُن کے ماسوا کا طواف اگرچہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی نیت سے ہو جائز نہیں کہ طوافِ مقصود کے ذریعے تعظیم کرنا اَمرِ تعبُّدی ہے (یعنی ایسا کام ہے جس کی حکمت کا عقل ادراک نہیں کرسکتی) اور اَمرِ تعبُّدی پر دوسرے اُمور کو قیاس کرنا جائز نہیں ہوتا بلکہ اِس بارے میں کوئی نئی چیز ایجاد کرنا اپنی طرف سے نئی شریعت گھڑنا ہے۔

اور اگر طواف سے مقصود اُس شے کی تعظیم نہ ہو اگرچہ طواف خود مقصود ہو جیسے دوسری قسم میں، یا طواف خود مقصود نہ ہو اگرچہ مقصود تعظیم ہو جیسے قسم سوم میں، تو بلا شبہ جائز ہے اور اگر طواف نہ تو خود مقصود ہو اور نہ یہ طواف کسی کی تعظیم کے لیے کیا جارہا ہو جیسے پہلی قسم میں، تو یہ بدرجۂ اَولیٰ جائز ہوگا، الحمد اللہ یہ خالص تحقیق ہے حقّ اس سے متجاوز نہیں، ولِلّٰہِ الحَمد طوافِ قبر بھی اِس کُلیہ سے باہر نہیں ہوسکتا، اگر دونوں باتیں جمع ہیں یعنی طواف خود مقصود ہے اور اُس طواف سے تعظیم ہی مراد ہے تو بلا شبہ حرام ہے اور اگر طواف خود مقصود نہیں بلکہ کسی اور فعل کا سبب ہے جیسے مزار کے گرد قلعی کرنے یا مزار کے اطراف میں نصب فانوس کی روشنی کے لئے طواف یعنی پھیرا لگانا یا مساکین کہ گردِ مزار بیٹھے ہیں اُن پر کچھ تقسیم کے لئے پھیرا کرنا، یہ بلا شبہ جائز ہے، یونہی اگر طواف خود مقصود ہو مگر اُس سے مزار کی تعظیم مقصود نہ ہو بلکہ مزار سے برکت اور فائدہ

اسے ذکر کروں گا اور وہ چیز جس نے اِن شدّت پسند نجدیوں کو سنّت کے برخلاف زیارتِ قُبور پر اِس شدید انکار پر اُبھارا، یہ ابنِ تیمیہ کا انتہائی ورع ہے، اُس نے اَنبیاءِ کرام اور صالحین کی قبروں کے پاس یہود و نصاریٰ کی عادات کی مشابہت کا شبہ ڈالنے والے اُمور سے بھی اجتناب برتنے کے لئے اِس قدر تشدُّد سے کام لیا۔ نیز اُس نے اِس باب میں وارد احادیث مبارکہ کو اپنی کتاب ''**اقتضاءُ الصِّراط المستقیم**'' میں ذکر کرتے ہوئے کہا: امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''**صحیح مسلم**'' میں حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو وصال با کمال سے قبل یہ پانچ باتیں ارشاد فرماتے سُنا حضور ﷺ فرما رہے تھے: ''میں اللہ تعالیٰ کے حضور اِس سے بَری ہوتا ہوں کہ تم میں سے کوئی میرا خلیل ہو، پس بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنا لیا جیسا کہ اُس نے ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصّلاۃ والسّلام کو خلیل بنایا اور اگر میں اپنی اُمت میں کسی کو خلیل بنا تا تو ابوبکر کو بناتا، آگاہ رہو بے شک تم سے پہلے کے لوگوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو

حاصل کرنا مقصود ہو تو اُس کے ممنوع ہونے پر بھی کوئی شرعی دلیل نہیں، مزارِ انور حضور سیّدِ اطہر ﷺ پر تو ثابت ہے کہ روزانہ صبح کو ستّر ہزار فرشتے نازل ہوتے ہیں اور مزارِ اَطہرَ کے گرد حلقہ باندھے صلوٰۃ وسلام عرض کرتے شام کو وہ بدل دیئے جاتے ہیں اور ستر ہزار اور آتے ہیں کہ صبح تک ماہِ رسالت پر ہالہ ہو کر عرضِ صلوٰۃ وسلام کرتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر طوافِ مزار میں طواف خود مقصود نہیں جب تو اُس کا جائز ہونا ظاہر ہے اور اگر طواف خود مقصود ہے تو صرف نیّتوں کا فرق ہے اگر طواف تعظیمِ قبر کی نیّت سے ہے تو بلا شبہ حرام ہے اور اگر مزار سے برکت اور فائدہ حاصل کرنے کی اچھی نیّت سے ہو تو اُس میں اصلاً حرج نہیں اور اپنے طور پر یہ ٹھہرا لینا کہ مسلمان مزار کا طواف تعظیمِ قبر کے لیے کرتے ہیں، یہ دل پر حکم لگانا اور غیب جاننے کا دعویٰ کرنا ہے جو محض حرام ہے۔ مسلمان کے بارے میں ایسا گُمان کرنا بد گُمانی ہے اور مسلمان پر بد گُمانی حرام ہے۔

امامِ اہلسنّت نے اختتامِ کلام میں ارشاد فرمایا: ہاں یہ اَمر ضرور قابلِ لحاظ ہے کہ یہاں جائز کی نیّت اور حرام کی نیّت ایسے قریب، قریب ہیں جیسے آنکھ کی سیاہی سے سفیدی قریب ہوتی ہے، تو عوام کے لئے اِس میں ہرگز خیر نہیں اور خواص میں سے جو ایسا کرنا چاہے ہرگز عوام کے سامنے نہ کرے، یہ الحمد اللہ تعالیٰ تحقیقِ حکم ہے اور طوافِ مزار سے بچنا اور احتیاط کرنا ہر طرح مناسب ہے) (فتاوی رضویہ،۲۲/ ۴۰۰۔۳۸۶)

(ایک نسخہ میں **و صالحیھم** بھی ہے) مسجد بنا لیا، سُن لو تم قبروں کو مسجد نہ بنانا میں تمہیں اِس سے منع کرتا ہوں''۔(۲۰)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں: جب نبی کریم ﷺ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ اپنے چہرہ ٔمبارکہ پر چادر ڈال لیتے، پھر جب اُس کے سبب گھبراہٹ محسوس فرماتے تو اُسے چہرہ مبارکہ سے ہٹا لیتے، حضور ﷺ نے فرمایا: ''اور وہ یونہی ہے یہود اور نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو! انہوں نے اپنے انبیاء کرام کی قبروں کو مسجد بنا لیا'' جو کام اُن لوگوں نے کیا آپ ﷺ اُس سے ڈراتے تھے، اس حدیث پاک کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔(۲۱)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرضِ وصال میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود اور نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے انبیاء کرام کی قبروں کو مسجد بنا لیا'' اگر یہ خیال نہ ہوتا تو حضور ﷺ اپنی قبر مبارک کو ظاہر کر دیتے مگر آپ علیہ الصلوٰۃ و السلام کو خوف تھا کہ اُسے مسجد بنا لیا جائے گا۔(۲۲) (ابن تیمیہ کا کلام مکمل ہوا۔)(۲۳)

امام بخاری نے محمد بن مُثنّٰی سے انہوں نے ہشام سے روایت کیا وہ کہتے ہیں مجھے میرے والد گرامی نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے سے یہ حدیث بتائی کہ اُمّ المؤمنین اُمِّ حبیبہ اور اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک گرجے کا ذکر کیا جسے انہوں

۲۰۔ صحیح مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصّلوۃ، باب النّھی عن بناء المساجد علی القُبور إلخ برقم ۱۱۲۵،۲۳(۵۳۲)ص:۲۴٤

۲۱۔ صحیح مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ،باب النّھی عن بناء المساجد علی القبور الخ برقم۱۱۲٤، ۲۲،۵۳۱ص:۲٤٤

۲۲۔ صحیح مسلم،کتاب المساجد و مواضع الصّلوۃ،باب النّھی عن بناء المساجد علی القبور الخ برقم ۱۱۲۱،۱۹۔۵۲۹ ص:۲٤٤،۲٤۳

۲۳۔ اقتضاء الصراط المستقیم،التحذیر من بناء المساجد علی القبور،ص:۳۳۰،۳۲۹

نے حبشہ میں دیکھا تھا اُس گرجے میں تصاویر آویزاں تھیں، اُن دونوں نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں یہ بات ذکر کی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بلا شبہ اُن لوگوں میں جب کسی نیک آدمی کا انتقال ہو جاتا تو وہ اُس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اُس مسجد میں اُس کی تصویریں بنا دیتے بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بدترین مخلوق ہوں گے'' (۲۴)

علماءِ کرام کا اِن اَحادیثِ مبارکہ میں وارد نہی کی علّت میں اختلاف ہے امام نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی ''**شرح صحیح مسلم**'' میں ہے علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اپنی یا غیر کی قبر پر مسجد بنانے سے منع اس لیے فرمایا کہ لوگوں کے اُس کی تعظیم میں مبالغہ کرنے کے سبب فتنہ میں پڑنے کا خوف تھا کہ کبھی تعظیم میں مبالغہ کرنا بندے کو کُفر تک بھی لے جاسکتا ہے اور گزشتہ کئی قوموں میں یہ بُرائی رَچ بَس گئی تھی۔

امام نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ''امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الہادی نے فرمایا: میں اِس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ کسی مخلوق کی ایسی تعظیم کی جائے کہ اُس کی قبر کو مسجد بنا لیا جائے خود اُس شخص کے اور اُس کے بعد آنے والے لوگوں کے فتنہ میں پڑ جانے کا خوف ہے''۔ (امام نووی علیہ الرحمہ کا کلام مکمل ہوا) (۲۵)

''**صحیح مسلم**'' میں قبر پر بیٹھنے اور قبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت وارد ہے۔ نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے: ''قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ اُن کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھو''۔ (۲۶)

۲۴۔ صحیح مسلم کتاب المساجد ومواضع الصّلاة، باب النّهى عن بناء المساجد على القُبور إلخ، برقم:١٦/١١١٨، (٥٢٨)

۲۵۔ شرح صحیح مسلم للنّووی ،کتاب المساجد ومواضع الصّلاة،باب النّهى عن بناء المساجدعلى القُبورإلخ،برقم:٢٣ـ(٥٣٢)٣/٥/١٢)

۲۶۔ (صحیح مسلم ،کتاب الجنائز،باب النّهى عن الجلوس على القبر إلخ ، برقم : ٢٢١١ ، ٩٨ (٢ ٩٧)ص:٤٣١)

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''تم میں سے کوئی انگارے پر بیٹھے جس کے نتیجے میں اُس کے کپڑے جل جائیں پھر وہ آگ اُس کی کھال تک پہنچ جائے یہ اُس کے لئے قبر پر بیٹھنے سے کہیں بہتر ہے'' (۲۷)

اِس حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ مردہ بھی اُن اُمور سے اذیّت پاتا ہے جن سے زندوں کو اذیّت ہوتی ہے، (۲۸) ابنِ تیمیہ نے اپنی کتاب ''**اقتضاء الصّراط المستقیم**''

۲۷۔ سُنَن أبی داؤد، کتاب الجنائز ،باب فی کراهیّة القعود على القبر إلخ، برقم: ٣٢٢٨، ٣/٣٥٩

۲۸۔ اِسی عنوان پر کلام کرتے ہوئے امامِ اہلسنّت علیہ رحمۃ ربّ العزّت فرماتے ہیں: ''امام ابن امیر الحاج ''حلیہ'' میں ''نوادر'' و'' تحفة الفقهاء'' و ''بدائع'' و ''محیط'' وغیرہ سے نقل فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبر پر چلنا، بیٹھنا، سونا، قضائے حاجت کرنا، مکروہ قرار دیا ہے۔ ''حدیقه ندیه'' میں ''جامع الفتاویٰ'' سے ہے: ''وہ اوراس پر کی مٹی حقِ میت ہے تو اُس پر چلنا جائز نہیں۔''
'' فتاویٰ عالمگیری '' میں امام علی ترجمانی سے ہے: ''قبروں پر چلنے سے گُناہ گار ہوگا اِس لئے کہ قبر کی چھت میّت کا حق ہے۔''
''تنویر الأبصار'' میں ہے: ''قبرستان میں پیشاب پاخانہ مکروہ ہے۔''
''ردّ المحتار'' میں ہے: ''اِس لئے کہ مُردے کو بھی اُس چیز سے اذیّت ہوتی ہے جس سے زندے کو اذیّت ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مکروہِ تحریمی ہے اس لئے کہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ قبرستان کے اندر نَو پیدا راستے سے گزرنا حرام ہے تو یہ بدرجۂ اوّلیٰ حرام ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''مجھے آگ یا تلوار پر چلنا قبر پر چلنے سے زیادہ پسند ہے۔'' اِسے ''ابن ماجۃ'' نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے بسندِ جیّد روایت کیا۔ نیز نبی ﷺ فرماتے ہیں: ''مُردے کی ہڈیاں توڑنا اور اُسے ایذا دینا ایسا ہی ہے جیسے زندے کی ہڈی توڑنا۔''
اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''میّت کو قبر کے اندر بھی اُس چیز سے ایذا ہوتی ہے جس سے گھر کے اندر ایذا ہوتی تھی۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''بحالتِ وفات مومن کو ایذا دینا ایسے ہے جیسے اُسے زندگی میں ایذا دینا۔''
حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک قبر پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''اے قبر سے لگنے والے! قبر سے اُتر جا، صاحبِ قبر کو ایذا نہ دے۔'' اِن تمام صحیح حدیثوں اور اِن کے سوا اور احادیثِ کثیرہ سے ثابت ہے کہ قبر پر بیٹھنا یا پاؤں رکھنا بلکہ صرف اُس سے تکیہ لگانے سے میّت کو ایذا ہوتی ہے اور مُردہ مسلمان کی ایذا ایسی ہے جیسے زندہ مسلمان کی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے

کے ''بابُ الزّیارۃ'' میں احادیث مبارکہ ذکر کی ہیں۔

ابنِ تیمیہ نے کہا: نبی کریم ﷺ اہلِ بقیع اور شُہداء کی قبروں پر اُن کے حق میں دعا اور استغفار کرنے کے لئے جایا کرتے تھے تو یہ زیارت، زیارتِ قُبور رہی ہے جو آخرت کو یاد کرنے اور اہلِ قُبور کو سلام تحیّت کرنے، اُن کے حق میں دعا کرنے کے لئے ہے اور یہی وہ اَمر ہے جسکے بارے میں احادیث وارد ہیں۔(۲۹)

اِسی کتاب کے دوسرے مقام پر ابنِ تیمیہ نے لکھا: مسلمان کی قبر کے لئے حُرمت ہے کہ اُس بارے میں حدیث وارد ہے (اِس حُرمت کی علّت یہ ہے) کہ قبر مسلمان میّت کا گھر ہے اُس پر بالاتّفاق نہ تو نجاستیں پھینکی جاسکتی ہے، اور نہ اُس کو روندا جا سکتا ہے اور نہ اُس کی حُرمت کو پامال کیا جا سکتا ہے نہ ہی اُس پر ٹیک لگایا جا سکتا ہے، صاحبِ قبر کے پاس آنے والے کے لئے مستحب ہے کہ وہ صاحبِ قبر کو سلام کرے اور اُسکے حق میں دُعا کرے اور جو میّت جس قدر افضل و اعلیٰ ہوگی اُس کے حقوق کی رعایت اُسی قدر مؤکّد ہوگی۔

حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ کا گزر مدینے کی قبروں کے پاس سے ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چہرۂ مبارکہ کے ساتھ اُن کی طرف مُتوجّہ ہوئے، پھر فرمایا: ''سلام ہو تم پر اے قبر والو! اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت کرے (سفرِ آخرت میں) تم ہمارے پیش رَو ہو اور ہمیں بھی تمہارے پیچھے آنا ہے''، اِس حدیث پاک

ہیں: ''جس نے کسی مسلمان کو بلا وجہ شرعی ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے اللہ کو ایذا دی۔'' اِسے طبرانی نے ''معجم اوسط'' میں بسندِ حَسَن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

اور اللہ عزّ وجلّ فرماتا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّلَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا﴾ (الأحزاب: ۳۳/۵۷)

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ و رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں، اور اللہ نے اُن کے لئے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ۹/۴۱۴۔۴۰۹ ملخصاً)

۲۹۔ اقتضاء الصّراط المستقیم، زیارۃ قبور المشرکین، ص: ۳۲۸

کو امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے، امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیثِ پاک حَسَن غریب ہے۔(۳۰) پس یہ اور اِس کی مثل دیگر افعال جو حضور ﷺ خود کیا کرتے تھے یا مسلمانوں کی قبروں کے پاس قبرستان پر حاضری کے وقت اور قبرستان کے پاس سے گزرتے وقت جنہیں کرنے کا حکم فرماتے وہ یہ ہیں میّت کو سلام کرنا جیسا کہ زندہ کو سلام کیا جاتا ہے، میّت کے حق میں دفن سے قبل اور بعد دعا کرنا، اور میّت کے حق میں کی گئی دعا کے ضمن میں زائر کا خود اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرنا جیسا کہ نمازِ جنازہ میں نمازی خود اپنے اور کُل مسلمانوں کے لئے دعا کرتا ہے اور بالخصوص میّت کے حق میں دُعا کرتا ہے یہ تمام اُمور انجام دینا رسول اللہ ﷺ کی سنّت ہے اور سابقین اَوّلین مسلمانوں کا اِسی پر عمل تھا (ابنِ تیمیہ کا کلام مکمل ہوا)(۳۱)

ہم نے ماقبل جو باتیں بیان کیں اُس سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ مسلمان کی قبر کو ہر اذیّت سے بچانا اُسی طرح ضروری ہے جیسا کہ قبر کی ایسی تعظیم سے گریز کرنا لازم ہے جو کہ فتنہ تک لے جانے کا باعث ہو جیسا کہ پچھلی اُمتوں میں یہ معاملہ وُقوع میں آیا اور سابقہ گفتگو سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام اور صالحین رحمہم اللہ کے مزارات کے اوپر قائم گنبدوں کو توڑ دینے میں صاحبِ مزار کے لئے قبر پر بیٹھنے سے اذیت کا کہیں زیادہ سامان ہے اور اِسی وجہ سے جب مسلمانوں نے مُلکِ شام اور بَیتُ المقدس کو فتح کیا اور حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام کے مزاراتِ مقدّسہ پر قائم عمارتیں دیکھیں تو اُنہیں منہدم نہیں کیا اور اُن عمارتوں میں مشہور عمارت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزارِ پُر اَنوار کی ہے، خود سیدنا فاروقِ اعظم عمر بن خطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس کی زیارت کی اور اُس عمارت کو منہدم نہیں کیا اور نہ اُس کو گرانے کا حکم صادر فرمایا۔ ابنِ تیمیہ نے اپنی کتاب ''اقتِضَاءُ الصِّرَاط المُستَقِیم'' میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصّلاۃ والسّلام

۳۰۔ سُنَن التّرمذی، کتاب الجنائز، باب مایقول الرّجل إذا دخل المقابر، برقم: ۱۰۵۳، ۲/۱۵۳

۳۱۔ اقتضاء الصّراط المستقیم، ماینبغی لقبور المسلمین إلخ ص۳۲۵، ۳۲۴

کے مزارِ پُرانوار پر قائم اُس عمارت کا فتوحاتِ اسلام کے اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے زمانے میں موجود ہونے کا ذکر کیا، مگر ساتھ میں ابنِ تیمیہ نے یہ بھی ذکر کیا کہ چار سو ہجری تک اُس عمارت کا دروازہ بند رکھا گیا تھا۔ (۳۲)

پس حکومتِ نجدیہ کے افراد جب حرمین شریفین کے مُتولّی بنے اور انہوں نے طائف میں حضرتِ ابن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبرِ انور پر قائم عمارت کو، نیز اَہلِ بیت اور دیگر صحابۂ کرام علیہم الرّضوان کے مدینہ طیّبہ میں موجود مزارات پر قائم عمارتوں کو دیکھا تو انہیں چاہئے تھا کہ یہ اُن عمارتوں کو ڈھانے کے بجائے اُن کے دروازے بند کر دینے پر اکتفاء کرتے کہ اِن مزارات کی عمارت کو ڈھا دینے سے جو اذیّت صاحبِ مزار کو پہنچتی ہے وہ قبر پر بیٹھنے سے پہنچنے والی اذیّت سے کہیں بڑھ کر ہے اِس طرح یہ لوگ مزاراتِ مقدّسہ کی اِہانت اور صاحبِ مزار کو اذیت پہنچانے سے بچ جاتے۔ (۳۳)

۳۲۔ اقتضاء الصّراط المستقیم، اوّل من اتّخذ قبر إبراهیم مسجداً، ص: ۳۳۱

۳۳۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ یہ قُبّے، مشاہد، زیارت گاہیں تو اُن کے نزدیک شرک و اِلحاد کا بڑا ذریعہ ہیں چنانچہ خود اُن کے اپنے گھر کی گواہی ملاحظہ فرمائیں:

" هدایة المستفید" میں ہے: محمد بن اسماعیل الصنعانی اپنی مشہور تصنیف "تطهِیرُ الاعتِقَاد" میں لکھا کہ: "یہ بڑے بڑے قُبّے (ومزار) اور میلے جو الحاد اور شرک میں مبتلا ہونے کا ذریعہ ہیں۔ (هدایة المستفید ص: ۱۲۸)

بلکہ اولیاء اللہ کے مزارات کی اِہانت کرنا اور اُنہیں گرانا تو حضراتِ نجدیہ کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ سعودی مفتی عبدالعزیز بن باز نے لکھا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نے امیر عثمان بن معمر کو کہا کہ ہمیں چھوڑ دو زید بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کی قبر پر جو قُبّہ ہے ہم اُس کو گرائیں گے، یہ شریعت کے خلاف ہے، امیر عثمان نے محمد بن عبد الوہاب کا حکم مان لیا اور قُبّہ کو گرا دیا۔ (امام محمد بن عبد الوهّاب دعوته و سیرته ۱/ ۳۵۷، ۳۵۸)

یاد رہے! حضرت زید بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ، امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی تھے، مُسیلمہ کذّاب کے خلاف جن مسلمانوں نے جہاد کیا تھا اُن میں آپ بھی تھے، ان کی قبر پر قبہ بنایا گیا تھا، جس کے سائے میں لوگ ذکر کرتے تھے۔

محمد بن عبدالوھّاب نجدی کا بیٹا عبداللہ بن محمد بیان کرتا ہے: باقی بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قُبّہ یا مَولِدُ النّبی ﷺ کے قُبّے کو گرائے گئے ہیں، اُس میں بھی ہمارا منشاء صرف یہ ہے کہ لوگ شرک سے باز رہیں اور

نبی پاک ﷺ کے فرامین: "اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے انہوں نے اپنے انبیاءِ کرام علیہم السلام کی قبروں کو مسجد بنا لیا۔" (۳۴)

"اُن لوگوں میں سے جب کسی نیک آدمی کا انتقال ہو جاتا تو وہ اُس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اُس مسجد میں اُس کی تصویریں بنا دیتے۔" (۳۵)

وہاں سجدے نہ کریں۔ (تحفۂ وھّابیه، ص: ٦٧)

بلکہ حضراتِ نجدیہ کے نزدیک تو مزارات پر موجود گنبدوں کو توڑ دینا واجب ہے ملاحظہ فرمائیں: ابن قیم فرماتے ہیں کہ قبروں پر جو بڑے بڑے قُبّے (ومزار) نظر آ رہے ہیں اُن کو منہدم کر دینا واجب ہے کیونکہ اُن کی بنیاد اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ اکرم کی مخالفت پر رکھی گئی ہے۔ (هدایة المستفید، ص: ۱۲۳)

بلکہ اُن کے نزدیک تو انبیاءِ کرام علیم السّلام اور اولیاءِ کرام رحمھم اللہ تعالی کی قُبور بُت ہیں (العیاذ باللّٰہ تعالیٰ) ملاحظہ فرمائیں: صَنَمٌ: پتھر وغیرہ سے بنائی ہوئی تصویر کو صنم کہتے ہیں۔ وَثَنٌ: جو صرف تصویر ہو اسے وثن کہتے ہیں۔ "صنم" کو "وثن" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ وثن عام ہے۔ ہر صنم کو وثن کہا جا سکتا ہے قبر بھی وثن میں داخل ہے۔ (هدایة المستفید، ص: ۳۸)

مذکورہ بالا اقتباس میں کہا گیا کہ قبر بھی وثن میں داخل ہے اب دیکھیے کِن حضرات کی قُبور کو غیر مُقلّدین نام نہاد اہلِ حدیث "وثن" (یعنی بُت) کہہ رہے ہیں: نواب صدیق حسن خاں کے بیٹے نور الحسن بھوپالی نے لکھا ہے کہ لُغت کے لحاظ سے ہر اُس چیز پر جو اٹھی ہوئی ہو قبر کا لفظ صادق آتا ہے اور وہ شریعت کے مُنکرات سے ہے، اُس سے منع کرنا اور اُس کو مٹی کے برابر کرنا مسلمانوں پر واجب ہے بغیر کسی امتیاز کے، گو پیغمبر کی قبر ہو یا کسی اور کی ہو۔ (عَرف الجادی، ص: ٦٠)

بلکہ غیر مُقلّدوں وھابیوں کو بُتوں سے زیادہ انبیاءِ کرام و اولیاءِ کرام کے مزارات سے شرک پھیلنے کا خطرہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: عبدالعزیز بن محمد بن سعود نے اپنے رسالے میں لکھا: اِس خطرہ (یعنی شرک کے خطرہ) کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ انبیاء اور صُلحاء کی قبروں کے متعلق لکڑی یا پتھر کے بُت سے کہیں زیادہ خطرہ ہے۔ (تحفۂ وھّابیه، ص: ۱۷)

محمد بن عبداللطیف آلِ سعود محمد بن عبدالوھّاب اپنے رسالہ میں لکھتا ہے: ہم اہلِ قُبور کی حد سے بڑھی ہوئی تعظیم اور اس میں غُلو کرنا ناپسند کرتے ہیں۔ ہم قبروں پر سے گنبد اور قُبّے گرا دیتے ہیں کیونکہ اس میں بھی حد سے بڑھی ہوئی تعظیم ہے۔ (تحفۂ وھّابیه، ص: ۱۱۷)۸

۳۴۔ قد مرّ تخریجه سابقاً۔

۳۵۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد إلخ، باب النهی عن بناء المساجد علی القُبور إلخ، برقم: ۱۱۱۸/ ۱٦۔ (۵۲۸) ص ۲٤۳)

اس کا معنی علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ اُن لوگوں کا قبروں کو مسجد بنا لینا یہ تھا کہ وہ اُن قبروں کے اُوپر نماز پڑھا کرتے تھے یا اُن قبروں کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے یا خود قبروں کو سجدہ کیا کرتے تھے اور یہ چیز صریح کُفر وشرک ہے (جبکہ یہ کام صاحبِ قبر کی عبادت کے غرض سے کئے جائیں) جس کے بارے میں احادیث میں نہی اور تحذیر وارد ہوئی ہے حضور ﷺ پر ہماری جان قربان ہو! آپ ﷺ نے اپنی اُمّت کو اِس فتنہ میں پڑنے سے ڈرایا تھا۔

اور علماء کرام رحمہم اللہ کے بیان کردہ قواعد کے مطابق انبیاءِ کرام علیہم السّلام اور صالحین رحمہم اللہ کے مزارات کی زیارت کرنا قطعی طور پر اِس بابِ ممانعت سے نہیں ہے خواہ اُس مزار پر کوئی عمارت ہو یا نہ ہو۔

یہاں میں وہ کلام ذکر کر رہا ہوں جو زیارتِ قُبور اور مزاراتِ انبیاء وصالحین علیہم السّلام پر حاضری کے بارے میں علماء نے کیا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''اِحیَاءُ العُلُوم'' میں فرمایا: بالجملہ زیارتِ قُبور وَعظ ونصیحت حاصل کرنے کے لئے اَمرِ مستحب ہے، نیز صالحین کے مزارات کی زِیارت عبرت کے ساتھ ساتھ حصولِ برکت کے لئے کرنا ایک مستحب کام ہے۔ نبی پاک ﷺ اوّلاً زیارتِ قُبور سے منع فرمایا کرتے تھے پھر آپ ﷺ نے اُس کی اجازت مرحمت فرمادی۔ (۳٦)

امام غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی نے اِس باب میں کئی احادیث مبارکہ ذکر کی ہیں جن میں سے بعض احادیث ابن تیمیہ کے حوالے سے بیان ہو چکیں۔ امام غزالی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے مذکورہ سند کے ساتھ یہ حدیث پاک ذکر کی، حضرت جعفر بن محمد اپنے والد گرامی سے وہ جگر گوشۂ رسول حضرتِ فاطمۃ الزّہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کرتے ہیں: ''بی بی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک کی بکثرت زیارت کرتیں اور وہاں دعا کرتیں اور روتیں۔'' نیز یہ حدیثِ پاک نقل کی: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو ہر جمعہ

۳٦۔ احیاءُ عُلومِ الدّین، کتاب ذکر الموت، بیان زیارة القُبور إلخ، ٦/١٢٦

اپنے والدین کی یا دونوں میں سے کسی ایک قبر کی زیارت کرے اُس کی مغفرت کر دی جائے گی اور اُسے نیکوکار لکھا جائے گا۔''

نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے بنیّتِ ثواب مدینہ میں ہماری زیارت کی، ہم بروزِ قیامت اُس کے لئے شفیع اور گواہ ہوں گے۔''

پھر امام غزالی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: زیارتِ قُبور میں مستحب یہ ہے کہ قبلہ کو پیٹھ کرلے اور اپنا چہرہ میّت کی طرف رکھے اور سلام کرے نہ تو قبر کا مسح کرے نہ اُس کو مَس کرے کہ یہ اُمور عاداتِ نصاریٰ سے ہیں، حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے سو مرتبہ یا اِس سے بھی زیادہ بار حضرتِ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ وہ اوّلاً نبی پاک ﷺ کی قبر مبارک پر حاضری دیتے اور عرض کرتے: **اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ، اَلسَّلَامُ عَلٰی أَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ، اَلسَّلَامُ عَلٰی أَبِیْ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْه** اور پھر لوٹ آتے۔ (۳۷)

۳۷۔ احیاءُ عُلومِ الدِّین، کتاب ذکر الموت، بیان زیارة القُبور إلخ ٦/١٢٧۔

علّامہ ابن حجر ہیتمی مکّی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نبیِّ کریم ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت کی مشروعیّت کو دلائلِ اربعہ کے ساتھ ثابت کیا ہے ملاحظہ فرمائیں: علّامہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی اطاعت کرنے کی توفیق دے اور اپنے حبیب ﷺ کی خصوصیات کا فہم وادراک عنایت فرمائے اور اپنی رضا کی طرف کوشش کرنے کی توفیق دے، جان لیجیے کہ بے شک حضور ﷺ کی زیارت کتاب وسنّت و اِجماع امّت اور قِیاس کے مطابق مشروع ہے۔ (اس عنوان پر احادیث تو بیان کی جا چکیں ہم یہاں قرآن، اجماع اور قیاس سے بالاختصار زیارت کے مشروع ہونے کا ثبوت بیان کریں گے۔

قرآن مجید سے آپ ﷺ کی زیارت کے مشروع ہونے کا ثبوت: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ لَو اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْآ اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا﴾ (النساء: ٤/ ٦٤)

ترجمۂ: کنز الایمان: اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب ﷺ! تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا، مہربان پائیں۔

نبی پاک ﷺ کی قبرِ مبارک کی زیارت کے بارے میں کئی احادیث مبارکہ وارد ہیں

اِس آیت کریمہ میں اُمّت کو آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے اور آپ ﷺ کے پاس بخشش طلب کرنے کی اور حضور پُرنور ﷺ کو اُمّت کے لئے استغفار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور یہ حکم آپ ﷺ کے وصال کے ساتھ ختم نہیں ہوا، یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے توّاب اور رحیم ہونے کو آپ ﷺ کے پاس حاضر ہونے اور بخشش طلب کرنے اور اُن کے لئے آپ ﷺ کے استغفار کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے اور آپ ﷺ کا استغفار کرنا تو اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان کے سبب یہ تمام مؤمنین کے لئے حاصل ہے۔

اسْتَغْفِرُ لِذَنبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنِ وَالْمُؤْمِنَاتِ (محمّد: ۱۹/٤٧)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اے محبوب ﷺ! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گُناہوں کی معافی مانگو۔

اور ''مسلم شریف'' میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے بطریقِ صحیح روایت ہے کہ انہوں نے آیت سے یہی معنی مراد لئے ہیں، علماء کرام نے اِس آیت کے عُموم میں قبرِ انور پر حاضر ہونے والوں کو بھی شامل کیا ہے اور انہوں نے آپ ﷺ کی قبر منورہ پر حاضر ہونے والے ہر شخص کے لئے یہ مستحبّ قرار دیا ہے کہ وہ اِس آیت کی تلاوت کرے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔

قیاس سے آپ ﷺ کی زیارت کے مشروع ہونے کا ثبوت: زیارتِ قُبور کے بارے میں صحیح متفق علیہ احادیث مروی ہیں اور ہمارے آقا ﷺ کی قبرِ انور تو تمام قُبور میں سے افضل اور اعلیٰ ہے اور یہ زیادہ حق دار ہے کہ اُس کی زیارت کی جائے بلکہ عام قبروں اور اِس مبارک قبر کے درمیان کوئی نسبت ہی نہیں اور آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ اہلِ بقیع کی اور شہداءِ اُحد کے زیارت کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے، پس حضور پُرنور ﷺ کی قبر شریف تو اُن قُبور سے زیادہ زیارت کئے جانے کی حق دار ہے اور نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کرنا آپ ﷺ کی تعظیم اور آپ ﷺ سے برکت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اُن کی عظیم رحمت اور برکت سے نفع فرمائے، اُس درود و سلام کے صدقے جو ہم حضور ﷺ کی قبرِ انور کے قریب ان فرشتوں کی موجودگی میں پڑھتے ہیں جو آپ ﷺ کی قبر انور کو گھیرے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عظیم اس رحمت اور برکت سے نفع عطا فرمائے۔

اِجماعِ اُمّت سے آپ ﷺ کی زیارت کے مشروع ہونے کا ثبوت: حضور پُرنور ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت کرنے پر شریعتِ مطھرہ کے اُن علمائے کرام نے کہ جن پر دین کا مدار ہے، اجماع نقل کیا ہے اور اِس میں اختلاف کی نفی ہے اور علماء کے درمیان اختلاف فقط اِس میں ہے کہ یہ زیارت واجب ہے یا مستحب؟ اور کہا گیا ہے کہ یہ واجب ہے۔

نبی اکرم، نورِ مجسّم ﷺ کا فرمان ہے: ''جس نے حج کیا، اور ہماری زیارت نہیں کی اُس نے ہم سے جفا کی''۔

جن میں سے بعض کو امام غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی کے حوالے سے نقل کیا گیا نیز بعض احادیث

حضور پُرنور ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ہماری قبر کی زیارت کی اس کے لئے ہماری شفاعت ثابت ہوگئی''

اور ایک روایت کے الفاظ ہیں: ''حَلَّتُ لَهٗ شَفَاعَتِیُ''

یعنی: اُس کے لئے ہماری شفاعت حلال ہوگئی۔

اور ایک روایت میں ہے: ''جو کوئی ہماری زیارت کے لئے آیا اور اُسے اِس کے سوا کوئی حاجت نہیں ہے تو ہم پر حق ہے کہ قیامت کے روز اُس کے شفیع ہوجائیں۔''

حضور ﷺ کے فرمان: ''اُس کو اِس کے سوا کوئی اور حاجت نہ ہو'' سے مراد یہ ہے کہ وہ ہر اُس شے سے اجتناب کرے جس کا تعلق زیارت سے نہ ہو، بہر حال وہ اُمور جن کا زیارت سے تعلق ہے جیسا کہ مسجدِ نبوی میں اعتکاف کرنا اور اُس کی طرف کجاوے کسنا اور اُس میں عبادت کی کثرت کرنا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کرنا، مسجد قبا شریف کی زیارت کرنا وغیرہ تو اِن اُمور کو انجام دینا زائرِ مدینہ کے لیے مستحب ہے۔

اور سنّت یہ ہے کہ زیارت کا قُرب حاصل کرنے کی نیّت سے، اور مسجد نبوی کی طرف جانے اور اُس میں نماز پڑھنے کی نیت سے شدِّ رِحال کرے،۔

اور حضور پُرنور ﷺ کا فرمان: ''لا تعمله حاجة إلا زيارتی'' یہ شامل ہے آپ ﷺ کی ظاہری حیات کے زمانہ کو اور بعدِ وصال کے زمانہ کو، اور زیارت کو آنے والا خواہ قریب سے آئے یا دُور سے آئے ہاں اُس کا قصد اور خالص نیّت آپ ﷺ کی زیارت کی ہو کسی اور چیز نیّت نہ ہو، تو اُس کے لیے یہ قُربتِ عظیمہ اور مرتبۂ شریفہ ہے اور اِس میں کوئی ممنوعہ چیز نہیں ہے اور جس نے اِس کے خلاف اعتقاد رکھا اُس نے اپنا امیر اپنی خواہشات کو بنالیا حتی کہ اللہ تعالی نے اُس کو گمراہ کردیا اور وہ اندھا ہوگیا اور بہت بڑی شقاوت اور عناد میں گرفتار ہوگیا۔

یہ تمام مذکورہ احادیث حضور ﷺ کے مزارِ مبارک کی زیارت کے مستحب ہونے کے لیے صریح اور ظاہر ہیں بلکہ آپ ﷺ کی زیارت ظاہری زندگی اور بعد از وصال میں مردوں اور عورتوں کے لئے یہ زیارت زیادہ مؤکّد ہے جو کہ قریب و بعید سے زیارت کے لئے آئیں اور اُن کے ساتھ آپ ﷺ کی طرف شدُّ الرِّحال کرنے کی فضیلت ظاہر ہے اور اُن کا آپ ﷺ کی طرف سفر کرنا مندوب ہے حتی کہ عورتوں کے لئے بھی یہ سفر اتفاقاً مندوب و مستحب ہے جیسا کہ امام دیلمی نے فقہاء کے اِس قول سے دلیل لی کہ ہر حاجی کے لئے زیارت سنّت ہے اور بحث آپ ﷺ کی قبر کے ماسواء میں ہے اور اولیائے کرام اور شہدائے کے مزارات کی زیارت کے لیے سفر کرنا بھی ایسے ہی سنت ہے۔

نبی کریم ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کی طرف جنّت البقیع تشریف لے جایا کرتے تھے اور حضور ﷺ کا اُحد شریف کی طرف جانا بھی ثابت ہے، پس جب غیر کی قبر کی زیارت کے لئے

یہ ہیں جنہیں ''**الْمَواهِبُ اللُّدنية**'' میں '' **بيهقى** '' کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا:''جو ہماری زیارت کو آئے ،اُسے ہماری زیارت کے علاوہ کسی اور حاجت نے اُس پر نہ ابھارا ہو تو ہمارے ذمۂ کرم پر ہے کہ ہم بروزِ قیامت اُس کے شفیع اور گواہ بن جائیں۔''

نیز ارشاد فرمایا:''جس نے حج کیا اور ہماری زیارت نہیں کی اُس نے ہم سے جفا کی۔''(۳۸)

سفر کرنا مشروع ہے تو آپ ﷺ کی قبر شریف اُن تمام قبروں سے زیادہ اِس کی حقدار ہے کہ اُس کی طرف سفر کیا جائے اور متفقہ قاعدہ ہے کہ جو شے قُرب کا وسیلہ ہو وہ بھی قُرب میں داخل ہوتی ہے، ہاں یہ ہے کہ کبھی کسی خارجی وجہ سے وہ قُرب کا واسطہ جو قُرب تک پہچانے والا ہے حرام ہوسکتا ہے جیسا کہ غصب کردہ راستہ پر چلنا حرام تو ہے لیکن اگر کوئی چلے تو وہ اپنی منزل تک پہنچ جائے گا تو یہ اِس بارے میں صریح ہے کہ زیارت کے لئے سفر چونکہ قُرب کا ذریعہ ہے اِس لیے یہ بھی قُرب قرار پائیگا اور جو یہ گُمان کرتا ہے کہ صرف قریب رہنے والے کے لئے ہی زیارت کرنا قُربت اور نیکی ہے تو یہ اُس کا شریعتِ مطہّرہ پر اِفتراء ہے پس اُس پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔(الجوهر المنظّم ،الفصل الاوّل فی مشروعيّة زيارة قبر نبيّنا ﷺ إلخ ،ص:٤٥۔٤٣ ملخصًا)

اِس تفصیل کو ملاحظہ کرلینے کے بعد اَب حضراتِ نجدیہ کے اقوال کا بھی جائزہ لے لیجئے:

صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ مبارک کی طرف یا کسی دُوسری قبر یا مشہد کی طرف قصدًا جانا منع ہے کیونکہ اِس کا مطلب یہ ہوگا کہ اِس قبر کو زیارت گاہ بنالیا گیا ہے، اور یہ ممنوع ہے۔ دوسری بات یہ کہ شرک میں مبتلا ہونے کا یہ سب سے بڑا ذریعہ اور سبب ہے۔(هداية المستفيد، ص:١٣٣)

غیر مُقلّد عالم حافظ عبداللہ روپڑی لکھتا ہے: طلبِ علم اور دیگر ضروریات کے لئے سفر کرنا کوئی حرج نہیں صرف کسی جگہ کی طرف جس میں قبر نبوی داخل ہے،ثواب کی نیّت سے سفر کرنا جائز نہیں، ہاں اگر کوئی یہاں سے مسجد نبوی کی نیّت پر سفر کرے اور وہاں پہنچ کر نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کرے تو اُس کا کوئی حرج نہیں، بلکہ ایسا ہی کرنا چاہئے۔(مسئله زيارت قبر نبوی ﷺ، ص١٨)

حافظ روپڑی اپنی دوسری کتاب میں لکھتا ہے: وہاں (مزارِ مصطفیٰ ﷺ کی طرف) سفر کرنا زیارت کے لئے جائز نہیں بلکہ مسجدِ نبوی کی نیّت سے سفر کرنا چاہئے، جب مسجدِ نبوی میں نماز سے فارغ ہوجائے تو قبر کی زیارت کرے۔(سماعِ موتیٰ ،ص۹۱)

۳۸۔ المواهب اللدنيّة ،المقصد العاشر، الفصل الثّانی ،٤٠٤/٣

اِس عنوان کی بعض احادیثِ مبارکہ ابنِ تیمیہ نے اپنی کتاب ''**اقتِضَاءُ الصِّرَاط المُستَقِيم**'' میں ذکر کیں۔ ابنِ تیمیہ نے نقل کیا: حضور علیہ الصّلوٰۃ و السّلام نے ارشاد فرمایا:''کوئی شخص ہمیں سلام نہیں کرتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہماری توجّہ اُس کی طرف کردیتا ہے حتی کہ ہم اُسے جوابِ سلام دیتے ہیں۔(۳۹)

ابنِ تیمیہ نے'' **ابو داؤد** ''کی روایت کردہ یہ حدیث پاک اپنی کتاب کے ایک مقام پر ذکر کی نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:''بروزِ جمعہ اور شبِ جمعہ مجھ پر درودِ پاک کی کثرت کرو کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے'' صحابہ کرام علیہم الرضوان عرض گزار ہوئے کہ ہمارا درود آپ کے حضور کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ کی ہڈیاں بوسیدہ ہوچکی ہوں گی؟ ارشاد فرمایا:''بلا شبہ اللہ نے زمین پر انبیاء کرام علیہم السلام کے گوشت کا کھانا حرام فرما دیا ہے۔''(۴۰)

ابنِ تیمیہ نے اِسی کتاب کے دوسرے مقام پر زیارتُ النبی ﷺ کے باب کے پاس یہ بات ذکر کی کہ سیّدنا امام مالک رضی اللہ عنہ کے اَصحاب نے آپ کے طرزِ عمل کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ سیّدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ تو نبی کریم ﷺ کی قبرِ اقدس کا مسح کرتے اور نہ اُسے مَس کرتے اور یونہی منبر شریف کا نہ تو مسح کرتے اور نہ اُسے مَس کرتے البتہ قبرِ انور سے قریب ہوکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جناب میں سلام عرض کرتے پھر قبلہ رُو ہوکر دعا مانگتے اور اپنی پیٹھ قبرِ انور سے پھیر لیتے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اپنی پیٹھ قبرِ انور کی طرف نہ کیا کرتے۔(۴۱)

۳۹۔ سُنَن أبی داؤد ،كتاب المناسك،باب زيارة القُبور، برقم:٢٠٤١،٢/٢٠٤١

۴۰۔ التّرغيب والتّرهيب ،كتاب الذّكر والدّعاء ،التّرغيب فی إكثار الصّلوة على النّبیّ ﷺ ٢٥٩٦/٢۔٢٨

۴۱۔ اقتِضاءُ الصِّراط المستقيم، التّحذ ير من اتّخاذ قبر النّبی عيداً،ص:٣٢٤۔

صحیح یہ ہے کہ سیّدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبرِ انور کی طرف رُخ کرکے دُعا کیا کرتے تھے اُس کی تائید اِس مستند واقعہ سے ہوتی ہے۔امیر المؤمنین ابوجعفر نے امام مالک سے رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں

سیّدنا امام مالک کے اصحاب کا آپ کے طرزِ عمل کونقل کرنے میں اختلاف کا باعث یہ ہے کہ مزارِ پُرانوار پر حاضری کے دوران قبلہ رُو ہونے سے قبرِ اقدس کو پیٹھ ہوتی ہے، بہرحال جب زائر حجرۂ مبارکہ والی جگہ کو اپنی بائیں جانب لے لے تو اِس صورت میں یہ محذور اتفاقاً باقی نہیں رہتا۔

مناظرہ کیا، امام مالک نے کہا: امیرالمؤمنین! آپ اِس مسجد میں اپنی آواز اونچی نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو یہ ادب سکھایا ہے کہ تم نبی کی آواز پر اپنی آوازوں کو اونچا نہ کرو، اور نہ آپ کے سامنے بلند آواز سے بولو، جس طرح تم آپس میں بلند آواز سے بولتے ہوا یسا نہ ہو کہ تمہارے تمام اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتا بھی نہ چلے۔(الحجرات: ۳)

اور ایک قوم کی مدح فرمائی ہے: بے شک جو اپنی آوازوں کو رسول اللہ کی بارگاہ میں پست رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لئے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے اُس قوم کی مذمّت کی جو آپ کو حُجروں کے باہر سے پکار کر بلاتی تھی اور اُن کو بے عقل قرار دیا۔ اور حضور ﷺ کا احترام اب بھی اُسی طرح ہے جس طرح ظاہری زندگی میں آپ کا احترام تھا۔

خلیفہ ابوجعفر نے امام مالک کی بات کو تسلیم کرلیا اور پوچھا: جب میں رسول اللہ ﷺ کے مواجہہ شریف میں کھڑا ہو کر دعا کروں، تو آپ کی طرف منہ کروں یا قبلہ کی طرف منہ کروں؟ امام مالک نے فرمایا: آپ رسول اللہ ﷺ سے اپنا رُخ کیوں پھیرتے ہیں حالانکہ حضور ﷺ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں، بلکہ آپ رسول اللہ ﷺ کی طرف منہ کیجئے اور اُن سے شفاعت طلب کیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں اُن کی شفاعت کو قبول فرمائے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو وہ آپ کے پاس آجائیں پھر اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول (بھی) ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کرے تو وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔(النساء:٤/٦٤) (الشّفاء بتعریف حقوق المصطفی ﷺ القسم الثّانی فیما یجبُ علی الأنام من حقوقه ﷺ،الباب الثّالث فی تعظیم أمره إلخ، فصل: واعلم...... ١ـ٢/٤١)

امام عِزّ الدین ابن سلام علیہ رحمۃ اللہ السلام فرماتے ہیں: اے زائر! جب تو نماز کا ارادہ کرے تو روضۂ انور کی طرف پیٹھ نہ کرنا اور حضور ﷺ کے ساتھ اُسی طرح ادب کا معاملہ کرنا جیسا کہ اگر حضور ﷺ کی ظاہری حیات پاتا تو حضور ﷺ کا ادب کرتا۔ اگر تو یہ نہیں کرسکتا تو واپس اپنی جگہ پر پلٹ جا کیونکہ اِس صورت میں تیرا لوٹ آنا وہاں کھڑے رہنے سے افضل ہے (الجوهر المُنظّم،الفصل السابع :فیما ینبغی للزائر فعله إلخ السّابعة والعشرون (الأدب مع رسول اله ﷺ بعد وفاته ﷺ إلخ، ص:١٩١)

ابنِ تیمیہ نے لکھا: انبیاءِ کرام علیہم السّلام اور صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مقامات سے مراد وہ جگہیں ہیں جہاں اُن کا انتقال ہوا یا جس میں اُن کی سکونت تھی یا جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے لیکن اُسے مسجد نہیں بنایا تھا۔

میرے آقا و مولیٰ نے فرمایا: ہم نے ابوعبداللہ یعنی حضرت احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اُس شخص کے متعلق سوال کیا جو اِن مقامات پر حاضری دیتا ہے اور ان مقامات کی زیارت کے حصول کے لئے جاتا ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ حدیثِ ابنِ اُمِّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعل کے مطابق تو اُس شخص کے اِن مقامات پر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن عوام اِس بارے میں انتہائی اِفراط سے کام لیتے ہیں اور اِس میں زیادتی کرتے ہیں۔

حدیثِ ابنِ اُمِّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ہے: آپ رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں عرض کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن کے گھر میں نماز پڑھیں تاکہ وہ اُس مقام کو اپنی جائے نماز بنالیں (۴۲)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور علیہ الصّلاۃ والسّلام سے منسوب جگہیں اور آثار حصولِ برکت کے لئے تلاش کرتے رہتے تھے۔

۴۲۔ صحیح مسلم ،کتاب المساجد ومواضع الصّلوة ،باب الرخصة فی التّخلف عن الجماعة بعذر، برقم:١٤٤٠/٢٦٣ـ(٣٣)ص:٢٩٥)

امام اجلّ ابوزکریا نووی جن کی ولادت باسعادت ۶۳۱ھ اور وفات شریف ٦٧٦ھ میں ہوئی، ''شرح صحیح مسلم'' میں زیرِ حدیث عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''میری تمنا ہے کہ آپ میرے گھر تشریف لاکر کسی جگہ نماز پڑھ لیں تاکہ میں اُس جگہ کو نماز پڑھنے کے لئے متعیّن کرلوں''

فرماتے ہیں: اِس حدیث میں کئی قسم کے عُلوم و معارف ہیں اور اِس میں بزرگانِ دین کے آثار سے تبرّک اور عُلماء، صُلحاء اور بزرگوں اور اُن کے متّبعین کی زیارت اور اُن سے برکات کا حصول ثابت ہے۔

نیز اسی حدیث کے نیچے لکھتے ہیں: حضرت عتبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اِس حدیث میں بہت فوائد ہیں اُن میں صالحین اور اُن کے آثار سے تبرُّک اور اُن کی جائے نماز پر نماز پڑھنا اور اُن سے تبرّکات حاصل کرنا ثابت ہے۔(فتاویٰ رضویه ،٢١/٤٠٤ ملخصاً)

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے یہی بات احمد بن قاسم علیہ الرحمہ نے نقل کی کہ امام صاحِب سے ایک شخص کے بارے میں اِستفسار ہوا جو مدینہ طیبہ وغیرہ میں موجود مقدّس مقامات پر حاضری دیا کرتا تھا آپ نے فرمایا کہ حدیثِ ابنِ اُمِّ مکتوم اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل کہ وہ حضور علیہ الصّلاۃ والسّلام کے نقشِ راہ کے طلب میں مشغول رہا کرتے تھے تو اِس بناء پر اِس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اِس کی رُخصت ہے پھر امام صاحِب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید فرمایا: لیکن عوامُ النّاس اِس میں اِفراط سے کام لیتے اور زیادتی کرتے ہیں پھر آپ نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبرِ انور کا اور اُس کے پاس عوامُ النّاس سے صادر ہونے والے اُمور کا ذکر فرمایا۔ خلال نے اِن دونوں واقعات کو ''**کتاب الادب**'' میں ذکر کیا ہے۔

علامہ رملی علیہ الرحمہ نے زیارۃُ النّبی ﷺ کے آداب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ زائر جب مدینۂ منوّرہ سے قریب ہو تو حضور ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات پر درودِ پاک کی کثرت کرے، پھر جب مسجدِ نبوی علی صاحبہا الصّلاۃ والسّلام میں داخل ہو اور روضۂ اقدس (جو ریاض الجنّۃ کے نام سے معروف ہے) کا جو قبرِ انور اور منبر شریف کے درمیان ہے قصد کرے تو اوّلاً دو رکعت تحیّۃُ المسجد ادا کرے، پھر ادائیگیٔ نفل کے بعد اِس نعمت کے حُصول پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے، پھر اپنا چہرہ قبرِ انور کی طرف اور پیٹھ قبلہ کی طرف کئے مزارِ اقدس پر حاضری دے، مزارِ اقدس سے تقریباً چار ہاتھ کے فاصلے کی مقدار پر رہے اور اپنے سامنے موجود اِس پُرنور مزار کے سب سے نچلے حصہ پر نظر رکھے (یعنی سر اٹھا کر نہ رکھے بلکہ گردن جھکائے باادب کھڑا رہے) پھر بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں سلام عرض کرے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے: ''کوئی ہمیں سلام نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ ہماری توجہ (اس کی طرف) کر دیتا ہے حتی کہ ہم اُس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔'' (۴۳)

بعض شارحین نے حدیثِ پاک میں مذکور لفظ ''رُوْحِیْ'' سے کنایۃً التفات مراد لیا

۴۳۔ قدمرّ تخریجه سابقاً۔

ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام کرنے والے شخص کی طرف جوابِ سلام کے لئے متوجّہ فرما دیتا ہے۔

سلام کے مختصر ترین الفاظ یہ ہیں: **اَلسَّلامُ عَلَیکَ یَا رَسُول اللّٰہِ** ﷺ

آداب ملحوظ رکھے، وَہاں اپنی آواز بُلند نہ کرے جیسا کہ حضور علیہ الصّلاۃ والسّلام کی ظاہری حیات میں یہ ادب ملحوظ رکھا جاتا تھا، پھر ایک ہاتھ برابر اپنی دائیں جانب بڑھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں سلام عرض کرے، پھر ایک ہاتھ برابر آگے چل کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں سلام عرض کرے، پھر دوبارہ اپنے مقام پر مواجہہ شریف کے سامنے کھڑا ہو جائے اور خود اپنے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تَوسُّل کرے اور بارگاہِ اِلٰہی میں اپنے لئے سفارش کرنے کا عرض کرے۔ (۴۴)

پھر قبلہ رُو ہو جائے اور خود اپنے لئے اور جس مسلمان کے لئے چاہے دُعا کرے، زائرِ مدینہ تمام ہی زیارات پر جائے جن کی تعداد تقریباً تیس ہے، اہلِ مدینہ اُن زِیارات کو بخوبی جانتے ہیں، بقیع شریف اور مسجدِ قبا شریف کی زیارت مسنون ہے۔

علامہ رملی فرماتے ہیں: قبرِ انور کے طواف سے اور حُجرۂ مبارکہ کے اندر نماز پڑھنے سے بقصدِ تعظیم احتراز برتے، دیوارِ قبرِ انور سے اپنی پیٹھ، اور اپنا پیٹ لگانا، ہاتھ سے قبرِ انور کا مسح کرنا، اور اُسے چُومنا مکروہ ہے۔ بلکہ ادب یہ ہے کہ قبرِ انور سے اِتنا دُور رہے جیسا کہ حضور علیہ الصّلاۃ والسّلام کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضری کی صورت میں

۴۴۔ یہ تو علماءِ اہلسنّت کا نظریہ ہے آیئے اب غیر مُقلّدین حضرات سے سوال کرتے ہیں کہ کیا حضور ﷺ کے وِصالِ ظاہری کے بعد آپ ﷺ سے تَوسُّل کر سکتے ہیں؟ اُنہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ یا شفیع بنا سکتے ہیں؟

غیر مُقلّد عالم نے لکھا: خُدا، اور اُس کی مخلوق میں کوئی بندہ وسیلہ اور شفیع نہیں ہو سکتا (تحفۂ وھّابیہ، ص: ۲۷)

نیز لکھا: اب جبکہ نبی ﷺ اِس دارِ فانی سے دارُ البقاء کی طرف رحلت فرما گئے ہیں جس پر قرآن مجید کی صریح نصّ موجود ہے اور اُمّت کا اِجماع ہو چکا ہے تو ایسی دُعا (یعنی حضور ﷺ سے شفاعت کی التجاء) کیونکر جائز ہو سکتی ہے۔) (تحفۂ وھّابیه، ص: ۳۱)

دُور رہتا (علامہ رملی کا کلام مکمل ہوا)۔(۴۵)

امام نَوَوِی علیہ الرحمہ نے "المنہاج" میں فرمایا: قبر کو گچ کرنا، نیز اس پر عمارت بنانا، اور لکھنا مکروہ ہے۔(۴۶)

علاّمہ رملی علیہ الرحمہ نے اِس کی شرح میں فرمایا: اِس حکم سے یہ صورت مُستثنیٰ ہے کہ جب قبر کے ڈھا دیئے جانے کا خوف ہو تو اس پر عمارت بنانا اور اسے گچ کرنا جائز ہے۔

ہاں! علماء کے اِس قول " قبروں پر ایسی شئے رکھ دینا جن سے ان کی معرفت ہو سکے۔" سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے اگر زائر کی پہچان کے لئے قبر پر میّت کا نام لکھ دیا جائے تو بقدرِ حاجت یہ لکھائی مُستحبّ ہوگی۔ بالخصوص اولیاءِ کرام اور صالحین عِظام کی قبروں پر کہ سالہا سال گزرنے کے بعد بھی اُن حضراتِ قدسیّہ کی قبروں کی معرفت اسی طرح ہو سکتی ہے۔(۴۷)

پھر علاّمہ رملی نے فرمایا: ہاں! قبر پر چھپّر بنانا، یونہی قبر پر لگائے گئے تابوت کو چُومنا مکروہ ہے، جیسا کہ قبر کو چومنا، اُس کا استلام کرنا، نیز مزاراتِ اولیاء پر حاضری کے وقت چوکھٹ کا چُومنا مکروہ ہے(۴۸) ہاں! اگر حُصولِ برکت کے لئے اُن مزارات کا بوسہ لے تو ایسا

۴۵۔ نہایةالمحتاج الیٰ شرح المنہاج، کتاب الحجّ،باب المبیت بمنیٰ إلخ ۱۰/۴۶۳، ۴۶۴

۴۶۔ مِنہَاج الطَّالبین مع نِہایةُ المحتاج، کتاب الجنائز ،باب تجصیص القبر إلخ،۸/۳۶۸

۴۷۔ نہایةالمُحتاج إلیٰ شرح المِنہاج،باب تجصیص القبر إلخ،۸/۳۷۰

۴۸۔ اولیاءِ کرام کے مزارات پر حاضری کے وقت چھوکٹ چُومنے کی شرعی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے امام اہلسنّت نے جوفتویٰ دیا اُس کا اِجمالی مضمون یہ ہے: اصل قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے منسوب ہر شئے کی بالخصوص اللہ تعالیٰ کے پیاروں کی تعظیم، خود اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنا ہے اور کسی فعل کی تعظیم و توہین پر مبنی ہونے کا دار و مدار عُرف پر ہے تو جس کی تعظیم کا شریعت نے مطالبہ کیا ہے تو لوگ جو اَفعال و طریقے اپنی عادت اور عُرف کے مطابق تعظیم کے لیے اختیار کرتے ہیں، وہ سب جائز ہوں گے، جب تک کہ اُن کے اِختیار کردہ کسی فعل کی مُمانعت دلیلِ شَرَعی سے ثابت نہ ہو۔
یقیناً مزاراتِ اولیاء پر حاضری کے وقت چھوکٹ کو چُومنا ایک طرح کی تعظیم ہے اور شریعت نے اُس سے منع نہیں کیا ہے تو اُسے جائز ہونا چاہئے لیکن یہاں ایک باریک نکتہ ہے جس تک رسائی توفیقِ اِلٰہی ہی سے

کرنا مکروہ نہیں جیسا کہ میرے والد گرامی علیہ الرحمہ نے اِس پر فتویٰ دیا ہے۔(۴۹)

ممکن ہے، یاد رہے! شریعت کا قاعدہ ہے: "اُمور میں مقاصد کا اعتبار ہے" ہماری شریعت میں جُھک کر، اور پیٹھ کو خم کر کے، کسی کی تعظیم کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر رُکوع، یا اُس سے زائد تعظیمًا جھکے تو یہ سخت مکروہ ہے۔ لیکن یہ کراہت اُس صورت میں ہے جب کہ اُس جھکنے ہی سے مقصود تعظیم بجالانا ہو، ہاں! اگر یہ جُھکنا خود مقصود نہ ہو بلکہ مقصود کوئی اور فعل ہو اور یہ جُھکنا اُس فعل کی ادائیگی کے لئے فقط واسطہ ہو تو یہ ہرگز ممنوع نہیں ہے عالمِ دین کی خدمت کی نیّت سے اُس کا بچھونا بچھا دینا یا اُس کو وضو کرانا، مجلس سے اُٹھتے وقت اُس کی جوتیاں سیدھی کر دینا، اِن افعال سے مقصود تعظیم و تکریم ہے اور بغیر جُھکے یہ اَفعال ہو نہیں سکتے لیکن یہ جُھکنا شریعت میں ممنوع نہیں کہ مقصود اِن اَفعال کو انجام دے کر تعظیم کرنا ہے نہ کہ جُھک کر تعظیم بجالانا یہاں مقصود ہے، یہاں تک کہ اگر بغیر جھکے اِن اَفعال کو کرنا ممکن ہو تو اِن اَفعال کو بطورِ تعظیم کرنے والا بھی نہیں جُھکے گا۔ دیکھئے نبی کریم ﷺ کے صحابۂ کرام علیہم الرّضوان نے پائے اقدس کو بوسے دیئے اور ظاہر ہے کہ پاؤں چُومنے کے لئے زمین تک جُھکنا ہوگا مگر سیّدِ عالم ﷺ نے اُسے جائز رکھا کہ یہاں بوسۂ قدم سے مقصود تعظیم ہے، یہاں جُھکنا اُس فعل کی ادائیگی کے لئے فقط وسیلہ ہے۔ خود اِس جُھکنے سے تعظیم مقصود نہیں (تمام ہی بحث کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے امام اہلسنّت ارشاد فرماتے ہیں) خُلاصۂ اَمر یہ قرار پایا کہ اگر آستانہ بلند ہو کے بے جھکے بوسہ دے سکے تو بلاشبہ اجازت ہے اور اگر پست خصوصًا زمین دوز ہو تو اگر ولی زندہ یا مزار سامنے ہے تو اُس کی تعظیم کی نیّت سے جھک کر بوسہ دیا (جُھکنا تعظیم کے لئے پایا گیا اِس لئے) ناجائز ہے اور حُصولِ برکت و اظہارِ محبت سے جھک کر بوسہ دیا جھکنے سے مقصود تعظیم نہیں بلکہ بوسۂ قدم لے کر دلی خواہش پُورا کرنا ہے تو اِس میں حرج نہیں لیکن ایسے افراد کہ عوام جن کی پیروی کرتے ہوں اُنہیں یہ مناسب ہے کہ عوام کے سامنے ایسا نہ کریں کہ عوام اُن کی نیّت پر واقف نہ ہونے کے سبب فقط اُن کے اِس فعل کو اپنے لئے سند بنا کر کچھ کا کچھ کر بیٹھے گی، ہاں! حُصولِ برکت کے لئے عوام کے سامنے فقط اتنا کرلے کہ آستانہ کو ہاتھ لگا کر اپنی آنکھوں اور منہ پر پھیرے جیسا کہ عبداللہ بن عمر وغیرہ صحابہ کرام علیہم الرّضوان منبرِ انور سیّدِ عالم ﷺ کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ (فتاویٰ رضویہ مخرجہ، ۹/۳۶۶، ۳۶۷ ملخصاً)

۴۹۔ امامِ اہلسنّت ارشاد فرماتے ہیں: "فی الواقعہ بوسۂ قبر میں علماء کا اختلاف ہے اور تحقیق یہ ہے کہ وہ ایک اَمر ہے دو چیزوں داعی و مانع کے درمیان دائر۔ داعی محبت ہے، اور مانع ادب۔ تو جسے غلبۂ محبت ہو اُس سے مواخذہ نہیں کہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے اور عوام کے لئے منع ہی اَحوط ہے، ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مزارِ اکابر سے کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے سے کھڑا ہو، پھر تقبیل (یعنی بوسہ لینے) کی کیا سبیل، عالمِ مدینہ علاّمہ سیّد نورالدین سمہودی قدّسَ اللہُ سرَّہٗ "خُلاصة الوفا" میں جدارِ مزارِ انور کے

اور علماء نے صراحت کی ہے کہ جب کوئی حجرِ اسود کے اِستلام کی طاقت نہ پائے تو اُس

لمس وتقبیل وطواف (یعنی حضور ﷺ کے مزارِ مبارک کو چُھونے، بوسہ دینے اور اُس کے طواف) سے ممانعت کے اقوال نقل کر کے فرماتے ہیں: امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے فرماتے ہیں: میں نے اپنے باپ سے پوچھا کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے منبر کو چُھوئے اور بوسہ دے اور ثوابِ اِلٰہی کی اُمید پر ایسا ہی قبر شریف کے ساتھ کرے؟ فرمایا: اِس میں کوئی حرج نہیں۔

امام اجلّ تقی الملّۃ والدّین علی بن عبدالکافی سبکی قدّس سرّہ "شِفَاءُ السِّقَام" پھر سیّد نورالدّین "خُلَاصَةُ الوَفَاء" میں بروایۃ یحییٰ بن الحسن عن عمر بن خالد عن أبي نباتۃ عن کثیر بن یزید عن المطّلب بن عبداللہ بن حنطب ذکر فرماتے ہیں کہ مروان نے ایک صاحب کو دیکھا کہ مزارِ اَعطَر سیّدِ اَطہر ﷺ سے لپٹے ہوئے ہیں قبر شریف پر اپنا منہ رکھے ہیں، مروان نے اُن کی گردن پکڑ کر کہا جانتے یہ تم کیا کر رہے ہو؟ اُنہوں نے اُس کی طرف منہ کیا اور فرمایا: ہاں! میں پتھر کے پاس نہ آیا میں تو رسول اللہ ﷺ کے حضور حاضر ہوا ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سُنا: "دین پر نہ روؤ جب اُس کا والی اُس کا اہل ہو۔ ہاں! دین پر روؤ جب نا اہل اُس کا والی ہو"۔ سیّد قدّس سرّہ فرماتے ہیں: امام احمد نے یہ حدیث بسندِ حَسَن روایت فرمائی۔

نیز فرماتے ہیں: ابنِ عساکر نے بسندِ صحیح ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کو چلے گئے تھے، ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ اُن سے فرماتے ہیں یہ کیا جفا ہے کیا وہ وقت نہ آیا کہ تو ہماری زیارت کو حاضر ہو؟ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ غمگین اور ڈرتے ہوئے جاگے اور بقصدِ زیارتِ اقدس سوار ہوئے، مزارِ پُر انوار پر حاضر ہو کر رونا شروع کیا اور اپنا منہ قبر شریف پر ملتے تھے۔

امام حافظ عبدالغنی وغیرہ اکابر فرماتے ہیں: زیارتِ اقدس کے لئے شَدُّ الرِّحال کرنے میں ہم فقط خواب پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ اِس پر کہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کیا اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بکثرت موجود تھے اور اُنہیں معلوم ہوا کسی نے اِس پر انکار نہ فرمایا۔

عالِمِ مدینہ فرماتے ہیں: یعنی خطیب بن حملہ نے ذکر کیا کہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبرِ انور پر اپنے دونوں رُخسار رکھے۔ اور ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنا داہنا ہاتھ اُس پر رکھتے، پھر کہا: "شک نہیں کہ محبت میں اِستغراق اُس میں اِذن پر باعث ہوتا ہے اور اُس سے مقصود تعظیم ہے، اور لوگوں کے مرتبے مختلف ہیں جیسے زندگی میں تو کوئی بے اِختیارانہ اُس کی طرف سبقت کرتا ہے اور کسی میں تحمّل ہے وہ پیچھے رہتا ہے۔

اور ابن ابی الصیف اور امام محبّ الطبری نے نقل کیا کہ مزاراتِ اولیاء کو بوسہ دینا جائز ہے اور اسماعیل تیمی سے نقل کیا کہ ابن المنکدر تابعی کو ایک مرض لاحق ہوتا کہ کلام دشوار ہو جاتا وہ کھڑے ہوتے اور اپنا رُخسار قبرِ انور سیدِ اَطہر ﷺ پر رکھتے، کسی نے اِس پر اعتراض کیا، فرمایا: میں نبی ﷺ کے مزارِ اقدس سے شفا حاصل کرتا ہوں۔

کے لئے مسنون ہے کہ وہ اپنی لاٹھی سے اُس کی طرف اشارہ کر کے لاٹھی کو چُوم لے، مزید فرمایا: بیت اللہ کے جس حصہ کا چاہے بوسہ لے ایسا کرنا مستحسن ہے۔ (علامہ رملی کا کلام مکمل ہوا)(۵۰)

مذکورہ بوسہ لینے کی تعلیل سے معلوم ہوا کہ یہ چُومنا ہاتھ چُومنے ہی کی طرح ہے یعنی مزار کا چُومنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اگر وہ صاحب حیات ہوتے تو ان کا ہاتھ چُوما جاتا کہ نیک آدمی کا ہاتھ چُومنا اور اُس کے ذریعے برکت حاصل کرنا، یہ ایک امرِ مشروع ہے۔ "سُنَن أبی داؤد" میں ہے حضرت یزید بن ابن ابی زیاد، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے وہ حضرت

علامہ شیخ عبدالقادر فاکہی مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کتاب مستطاب "حُسنُ التَّوَسُّل فِی زِیَارَۃِ اَفضَلِ الرُّسُلِ" میں فرماتے ہیں: یعنی خلوت میں جہاں اِس کا اندیشہ نہ ہو کہ کسی جاہل کا وہم اِس کے سبب کسی ناجائز شرعی کی طرف جائے گا ایسے وقت بارگاہِ اقدس کی مٹی اور آستانے پر اپنا منہ اور رُخسارہ اور داڑھی رگڑنا مُستحب و مُستحسن ہے جس میں کوئی حرج معلوم نہیں مگر اُس کے لئے جس کی نیّت اچھی ہو اور اِفراطِ شوق اور غلبۂ محبت اُسے اِس پر باعث ہو۔ علاوہ بریں میں تجھے یہاں ایک ایسا تحفہ دیتا ہوں جس سے معنی تجھ پر ظاہر ہو جائیں وہ یہ کہ امامِ اجلّ تقیّ الملّۃ والدّین سبکی دارُالحدیث کے اُس بچھونے پر جس پر امام نووی قدّس سرّہ العزیز قدم رکھتے تھے اُن کے قدم کی برکت لینے اور اُن کی زیادتِ تعظیم کے شہرہ دینے کو اپنا چہرہ اُس پر مَلا کرتے تھے جیسا کہ خود فرماتے کہ دارُالحدیث میں ایک لطیف معنی ہے جس کے ظاہر کرنے کا مجھے عشق ہے کہ شاید میرا چہرہ پہنچ جائے اُس جگہ پر جس کو قدمِ نووی نے چُھوا تھا۔

اور ہمارے شیخ تاج العارفین امام سنّت خاتمۃُ المجتہدین آستانۂ بیتُ الحرام میں حطیم شریف پر جہاں سیّدنا اسماعیل علیہ الصّلاۃ والسّلام کا مزارِ کریم ہے اپنا چہرہ اور داڑھی ملا کرتے تھے۔

بالجملہ یہ کوئی اَمر ایسا نہیں ہے جس پر انکار واجب ہو جب کہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اجلّہ ائمّہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت ہے تو اِس پر شورش کی کوئی وجہ نہیں اگرچہ ہمارے نزدیک عوام کو اِس سے بچنے ہی میں احتیاط ہے، امام علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی "حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ" میں فرماتے ہیں: جب کسی مسئلے کی ہمارے مذہب کے اقوال میں سے کسی قول پر یا کسی دوسرے مذہب پر تخریج ممکن ہو تو ایسا مسئلہ قابلِ انکار نہیں ہوتا کہ جس کا انکار واجب ہو اور اُس سے منع کیا جائے، وہ مسئلہ ہوتا ہے کہ جس کی حُرمت پر اہلِ علم کا اتفاق ہو اور اُس سے منع کیا گیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ، ۲۲/۴۰۳۔ ۴۰۷)

۵۰۔ نہایۃالمُحتاج إلیٰ شرح المِنھاج، باب تجصیص القبر إلخ، ۸/۳۶۹

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ واقعہ بیان فرماتے ہیں: ''ہم قریب ہوئے یعنی نبی پاک ﷺ کے پھر ہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دستِ کرم چُوم لیا۔'' (۵۱)

اُمِّ اُبان بنتِ وازع بن زارع اپنے دادا حضرت زارع سے روایت کرتی ہیں کہ اُن کے دادا حضرت زارع قبیلۂ عَبدُ القیس کے وَفد میں تھے، آپ فرماتے ہیں: جب ہم مدینہ آئے، تو ہم اپنی سواریوں سے جلدی کرتے ہوئے اُترے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دستِ اقدس اور مبارک قدم چُومنے لگے۔ (۵۲)

جاننا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے آثار، اور آپ کے منبر مبارک سے برکت حاصل کرنا، اَمر مشروع ہے۔ عہدِ صحابہ علیہم الرضوان میں اِس کا معمول تھا۔

ابنِ تیمیہ نے اپنی کتاب ''اقتِضَاءُ الصِّراط المُستقیم'' میں ابو بکر اَثرم کے حوالے سے نقل کیا، کہتے ہیں: میں نے ابوعبداللہ یعنی حضرت امام احمد بن حنبل سے حضور ﷺ کی قبر انور کو مسح کرنے اور چُھونے کے بارے میں دریافت کیا؟ تو آپ نے فرمایا: مجھے اِس کی معرفت نہیں۔ میں نے پھر عرض کیا: حضور! منبرِ مبارک کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: ہاں! منبر شریف کے بارے میں منقول ہے۔ پھر فرمایا: ابن ابی فدیک علیہ الرّحمہ، ابن ابی ذئب علیہ الرّحمہ سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (حصولِ برکت کے لئے) منبر شریف پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ اور سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی عمل حضرت رُمانۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی نقل کیا ہے۔ (۵۳)

ابن تیمیہ نے لکھا: میں کہتا ہوں: مُحدِّثین نے یحییٰ بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل

۵۱۔ سُنَن أبی داؤد، کتاب الأدب، ۱۵۹۔ باب فی قبلة الید، برقم: ۵۲۲۳، ۵/۲۴۷

۵۲۔ سُنَن أبی داؤد، کتاب الأدب، ۱۶۱۔ باب فی قُبلة الرّجل إلخ، برقم: ۵۲۲۵، ۵/۲۴۸

۵۳۔ الشّفا بتعریف حقوق المصطفی ﷺ، فصل فی حکم زیارة قبره الخ ۲۔ ۱/۸۵

کیا کہ جب انہوں نے عراق جانے کا قصد کیا تو منبر مبارک کے پاس حاضر ہوئے، اُس پر ہاتھ پھیرا، میں نے اُنہیں دیکھا کہ وہ اِسے مستحسن سمجھتے تھے۔ پھر ابنِ تیمیہ نے ساتھ میں یہ ٹکڑا جوڑا کہ حضرت کا یہ عمل شاید کسی ضرورت کی وجہ سے ہو۔

حضرت ابوعبداللہ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ سے سوال ہوا کہ لوگ قبرِ انور کے ساتھ اپنے پیٹ کو چمٹا لیتے ہیں آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ میں نے (حضرت ابوبکر اثرم علیہ الرّحمہ نے) عرض کیا کہ حضور میں نے مدینے کے اہلِ عِلم حضرات کی زیارت کی ہے وہ قبرِ انور کو مسّ نہیں کرتے بلکہ قبرِ انور سے ایک جانب کھڑے ہوتے ہیں اور بارگاہِ رسالت میں سلام عرض کرتے ہیں۔ یہ سُن کر امام صاحِب نے فرمایا: ہاں! حُضو ﷺ پر میرے ماں باپ قربان! حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اسی طرح کیا کرتے تھے۔ (ان کا کلام مکمل ہوا) (۵۴)

میرے بھائیو! اصحابِ رسول ﷺ ورضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اِس طرزِ عمل کو دیکھئے کہ وہ حضور ﷺ کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں اور آپ کے وِصال کے بعد بھی آپ کے آثارِ شریفہ سے برکتیں حاصل کرتے تھے بلکہ اُن حضراتِ قدسیّہ کا تو یہ عالَم تھا کہ وہ آپ ﷺ کے وضو کے پانی سے اور موئے مبارک سے بھی برکتیں حاصل کرتے تھے، حضور ﷺ کے صحابہ علیہم الرّضوان کی آپ ﷺ کی اِس قدر تعظیم کرنے سے صلح حدیبیہ کے سال اکابرِ قریش بھی متعجّب ہو کر رہ گئے، (۵۵)

۵۴۔ اقتضاء الصّراط المستقیم، قبر النّبی لایتمسّح به و لا یمسّ، ص: ۳۶۷

۵۵۔ امام بُخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں: جب نبی پاک ﷺ نے تہامہ کے رہائشی بُدیل بن ورقاء کو خبر دی کہ ہم جنگ کے لئے نہیں بلکہ عمرہ کرنے آئے ہیں تو بُدیل آپ کا پیغام لے کر قریش کے پاس گیا، باہمی مشورے کے بعد قریش نے عُروہ بن مسعود کو مسلمانوں سے گفتگو کرنے کے لئے روانہ کیا، عُروہ نے کہا: اے محمد (ﷺ)! یہ فرمایئے کہ اگر آپ نے اپنی قوم کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا تو کیا آپ نے اِس سے پہلے کسی بھی عرب کے متعلق سُنا ہے کہ اُس نے اپنی پوری قوم کو نیست و نابود کر دیا ہو؟ اور اگر اِس کے برخلاف صورت حال ہوئی یعنی آپ کے اور قریش کے درمیان جنگ برپا ہوئی تو میں آپ کے ساتھ جن لوگوں کو دیکھ رہا ہوں وہ سب بھاگ جائیں گے اور آپ کو تنہا چھوڑ دیں گے۔ اِس موقع پر حضرت ابوبکر نے عُروہ کو شُتم کرتے ہوئے کہا: کیا ہم نبی ﷺ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ سکتے ہیں؟ اُس نے

ایک بار میدانِ جنگ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی گرگئی، آپ

پوچھا: یہ کون ہے؟ مسلمانوں نے کہا: یہ ابوبکر ہیں۔ تب اُس نے کہا: اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! اگر تمہارا مجھ پر احسان نہ ہوتا جس کا میں ابھی تک جواب نہیں دے سکا تو میں تمہاری اِس بات کا جواب ضرور دیتا۔ اور عُروہ جب نبی کریم ﷺ سے بات کرتا تھا تو آپ کی داڑھی مبارک کو پکڑتا تھا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے سرِ اقدس کے پاس کھڑے ہوئے تھے اور اُن کے پاس تلوار تھی اور اُن کے سر پر خود تھا، پس جب بھی عُروہ نبی ﷺ کی داڑھی کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو وہ اُس کے ہاتھ پر تلوار کا دستہ مارتے اور اُس کے ہاتھ کو نبی ﷺ کی داڑھی کی طرف بڑھنے سے روکتے، عروہ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ مسلمانوں نے کہا: یہ مغیرہ بن شعبہ ہیں، عروہ نے کہا: اے عہد شکن! کیا میں اب تک تیرے بھرنے نہیں بھر رہا۔ اور حضرت مغیرہ زمانۂ جاہلیت میں ایسے لوگوں کے ساتھ تھے جو لوگوں کو قتل کر کے اُن کا مال لوٹ لیتے تھے۔ وہ نبی ﷺ کے پاس آکر مسلمان ہوگئے، تو نبی ﷺ نے فرمایا: میں تمہارا اِسلام تو قبول کرتا ہوں، رہا تمہارا مال تو میں اُس میں سے کوئی چیز قبول نہیں کروں گا۔ پھر عُروہ کن انکھیوں سے نبی پاک ﷺ کے اصحاب کو دیکھتا رہا، پس اللہ کی قسم! جب بھی نبی ﷺ نے آب بینی فرماتے تو صحابہ میں سے کوئی نہ کوئی شخص اُس لعاب کو اپنے ہاتھوں پر لے لیتا پھر اُس کو اپنے چہرے اور جسم پر ملتا، پھر جب آپ ﷺ کسی کام کا حکم دیتے تو وہ سب اُس کام کو کرنے کے لئے جھپٹ پڑتے اور جب آپ ﷺ وضو کرتے تو وہ سب آپ ﷺ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کے لئے ایک دوسرے پر اس طرح ٹوٹ پڑتے گویا ایک دوسرے کو قتل کردیں گے اور جب آپ ﷺ بات کرتے تو وہ سب آپ ﷺ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کردیتے اور آپ ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے وہ آپ کو سر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے، عُروہ واپس اپنے اصحاب کے پاس گئے اور کہا: اے میری قوم! اللہ کی قسم! میں بادشاہوں کے پاس گیا ہوں، اور میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے پاس گیا ہوں اور میں نے ہرگز نہیں دیکھا کسی بادشاہ کے اصحاب اُس بادشاہ کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسی محمد (ﷺ) کے اصحاب محمد (ﷺ) کی تعظیم کرتے ہیں اور اللہ کی قسم! وہ جب بھی آب بینی کرتے ہیں تو وہ لُعاب اُن کے کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں گرتا ہے اور وہ اُس کو اپنے چہرے اور اپنے جسم پر ملتا ہے اور جب وہ اُنہیں کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو سب اُس کام کو کرنے کے لئے جھپٹ پڑتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو اُن کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو لینے کے لئے وہ سب ایک دوسرے پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کردیں گے اور جب وہ بات کرتے ہیں تو وہ سب اُن کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کردیتے ہیں اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے وہ آپ کو نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتے۔ (صحیح البخاری، کتاب الشروط، باب الشرط فی الجهاد الخ، برقم: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲، ۲/۲۰۰۔۱۹۷ ملخّصًا)

نے شدید حملہ کر کے ٹوپی گرنے کے مقام سے دشمنوں کو دُور کر کے ٹوپی اُٹھالی، بعد میں آپ کے ساتھیوں نے آپ کو اِس فعل پر ملامت کی اور کہا کہ ایک ٹوپی کے لئے آپ نے اِس قدر شدید حملہ کیا اور اپنی جان داؤ پر لگادی، آپ نے جواباً فرمایا: میں نے یہ فقط اس لئے کیا کہ اِس ٹوپی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موئے مبارک موجود ہیں۔ (۵۶)

۵۶۔ الشّفاء بتعریف حقوق المصطفی ﷺ الباب الثالث، فصل و من اعظامه ﷺ الخ ۱، ۲/۵۶، ۵۷۔

یاد رہے وفات کے بعد بھی نبی کریم ﷺ کی توقیر اور تعظیم لازم ہے جس طرح آپ ﷺ کی حیات میں لازم تھی اور اُس کا موقع وہ ہے جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جائے، آپ ﷺ کی حدیث کا ذکر کیا جائے اور آپ ﷺ کی سنت کا ذکر کیا جائے اور آپ ﷺ کا نام مبارک اور آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا سماع کیا جائے اور آپ ﷺ کی آل اور عترت کے ساتھ کوئی معاملہ کیا جائے اور آپ ﷺ کی اہلِ بیت اور آپ ﷺ کی اصحاب کی تعظیم کی جائے۔

ابوابراہیم تجیبی علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہر مومن پر واجب ہے کہ جب وہ آپ ﷺ کا ذکر کرے یا اُس کے سامنے آپ ﷺ کا ذکرِ خیر کیا جائے تو وہ خشوع و خضوع کی حالت میں ہو اور اُس کی حرکات اور سکنات سے وقار ظاہر ہو اور اُس پر اُسی طرح ہیبت طاری ہو جیسے وہ آپ ﷺ کے سامنے یوں مؤدّب کھڑا ہے جیسا کہ اللہ نے اِس دربار کا ادب سکھایا ہے۔

ہمارے اسلاف کی تعظیم مصطفیٰ ﷺ کا انداز ملاحظہ فرمائیں: معصب بن عبداللہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ امام مالک علیہ الرحمہ کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو اُن کے چہرے کا رنگ متغیّر ہوجاتا اور وہ اُسی وقت جھک جاتے حتی کہ یہ منظر آپ کے ہم نشینوں پر دشوار ہوجاتا جب امام مالک علیہ الرحمہ سے اِس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ جو میں نے دیکھا ہے تم نے دیکھا ہوتا تو مجھ پر اعتراض نہ کرتے۔

محمد بن المنکد رعلیہ الرحمہ سیّد القرّ اء تھے ہم جب اُن سے کسی حدیث کے متعلق پوچھتے تو اُن پر اِس قدر گِریہ طاری ہوتا کہ ہم اُن کے لئے رحم کی دعا کرتے اور میں نے حضرت جعفر بن محمد الصادق کو دیکھا وہ ہنس مکھ اور پُر مزاح شخص تھے لیکن جب اُن کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو اُن کا چہرہ زرد پڑ جاتا اور میں نے اُن کو کبھی بغیر وضو کے رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم علیہ الرحمہ نبیٔ پاک ﷺ کا ذکر کرتے تو اُن کی رنگت ایسی نظر آتی گویا کہ اُن کا خون نچوڑ لیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ہیبت سے اُن کی زَبان خُشک ہوجاتی۔

حضرت عامر بن عبداللہ بن الزبیر علیہ الرحمہ کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو وہ اِس قدر روتے کہ اُن کی آنکھوں کے آنسو ختم ہوجاتے۔

امام زُہری علیہ الرحمہ بہت خوش مزاج اور ملنسار شخص تھے لیکن جب اُن کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا

اے میرے بھائیو! یہ حضرات ہمارے اَسلاف تھے اور نجدی خود کو سَلَفی (یعنی اَسلاف

جاتا تو یوں لگتا کہ وہ اپنے مُخاطَب کو بالکُل نہیں پہچانتے۔
حضرت صفوان بن سلیم علیہ الرحمہ بہت بڑے عابد اور مجتہد تھے، اُن کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو وہ اِس قدر روتے کہ لوگ اُن کے پاس سے اُٹھ کر چلے جاتے۔
امام ابنِ سیرین علیہ الرحمہ ہنس مکھ آدمی تھے لیکن جب اُن کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی حدیث ذکر کی جاتی تو اُن پر خُشوع طاری ہو جاتا۔
حضرت قتادہ علیہ الرحمہ جب حدیث سنتے تو بلند آواز سے رونے لگتے اور مضطرب ہو جاتے۔
(الشفاء بتعريف حقوق المصطفى ﷺ القسم الثانی فيما يجب على الأنام من حقوقه ﷺ، الباب الثالث فی تعظيم أمره إلخ، فصل: واعلم...... ٢/ ٤٠ـ ٤٣ ملخصًا)
نبیِ پاک ﷺ سے منسوب اَشیاء سے صحابۂ کِرام کس طرح برکتیں لیتے ملاحظہ فرمائیں: حدیثِ صحیح میں ہے: بعض اَجلّۂ صحابہ نے کہ غالبًا سیّدنا عبد الرحمٰن بن عوف یا سیّدنا سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، حضورِ اقدس ﷺ سے تہ بند اقدس (جو کہ ایک بی بی صاحبہ نے بہت محنت سے خوبصورت بُن کر نذر کیا اور حضور اقدس ﷺ کو اُس کی ضرورت تھی) مانگا، حضور ﷺ اَجوَدُ الاَجوَدِین ﷺ نے عطا فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اُنہیں ملامت کی کہ اِس وقت اِس اِزار شریف کے سوا حضورِ اقدس صلوات اللہ وسلامُہٗ علیہ کے پاس اور تہ بند نہ تھا، اور آپ جانتے ہیں کہ حضور اَکرَمُ الاکرَمِین ﷺ کبھی سائل کو ردّ نہیں فرماتے، پھر آپ نے کیوں مانگ لیا؟ انہوں نے کہا: واللہ! میں نے استعمال کو نہ لیا بلکہ اِس لئے کہ اِس میں کفن دیا جاؤں، حضور اقدس ﷺ نے اُن کی اِس نیّت پر انکار نہ فرمایا، آخر اُسی میں کفن دیئے گئے۔
''صحیح بخاری'' میں ہے: ''باب: حضور علیہ الصّلاۃ والسّلام کے زمانہ میں جس نے کفن تیار کیا اور آپ ﷺ نے منع نہ فرمایا۔'' حضرت عبد اللہ بن مَسلَمہ نے اپنی سَنَد کے ساتھ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث بیان کی کہ ایک عورت حضور اَقدس ﷺ کی خدمت میں خوبصورت بُنی ہوئی حاشیہ والی چادر لائی، تمہیں معلوم ہے کہ کون سی چادر تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ تہ بند تھا۔ کہا: ہاں! اُس عورت نے عرض کیا کہ میں نے خود یہ چادر بُنی ہے آپ کو پہننے کے لئے پیش کر رہی ہوں تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بڑی خوشی سے قبول فرمالیا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اُس کو تہبند کی صورت میں پہن کر باہر تشریف لائے تو فلاں صحابی نے اُس تہبند کی تحسین کی اور عرض کیا: یہ کتنی اچھی ہے! مجھے عطا فرما دیجئے! اِس پر حاضرین نے اُسے کہا: تو نے اچھا نہیں کیا، حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خود اپنے لئے پسند فرمائی تھی، تو نے یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ آپ کسی سائل کو مایوس نہیں فرماتے سوال کر لیا، اُس نے جواب میں کہا کہ خُدا کی قسم! میں نے اِسے پہننے کے لئے نہیں اپنے کفن کے لئے طلب کیا ہے، حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ چادر

کا پیروکار) کہتے ہیں اور اُن کی حالت یہ ہے کہ اُنہوں نے جب مَکّۂ مُکرّمہ میں نُزول کیا تو اُس مکانِ عَرش نِشان کو منہدم کر دیا جس میں تاجدارِ رسالت ﷺ کی وِلادتِ باسعادت ہوئی تھی، اُن لوگوں نے اُس مکانِ عالیشان کو توڑنے کے لئے ایسی اوچھی حرکتیں کی ہیں جن کو بیان کرنے سے شرم و حیاء آتی ہے۔(۵۷)

مبارک اُس سائل صحابی کا کفن بنی''۔(فتاویٰ رضویہ، ۹/ ۱۱۳)
امام ابو عمر یوسف بن عبد البرّ ''کتاب الاِستِیعابِ فِیْ مَعرِفَةِ الْاَصحابِ'' میں فرماتے ہیں: حضرت امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے انتقال کے وقت وصیّت میں فرمایا: ''میں صحبتِ حضور سیّدِ عالم ﷺ سے شرف یاب ہوا، ایک دن حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ وسلّم حاجت کے لئے تشریف فرما ہوئے ہیں، میں لُوٹا لے کر ہمراہ رکابِ سعادت مآب ہوا، حضور پُرنور ﷺ نے اپنے جوڑے سے کُرتا کہ بدنِ اقدس کے متّصل تھا، مجھے انعام فرمایا، وہ کُرتا میں نے آج کے لئے چُھپا رکھا تھا اور ایک روز حضورِ انور ﷺ نے ناخن و موئے مبارک تراشے، وہ میں نے لے کر اِس دن کے لئے اُٹھا رکھے، جب میں مر جاؤں تو قمیص سراپا تقدیس کو میرے کفن کے نیچے بدن کے متصل رکھنا، موئے مبارک و ناخن ہائے مقدسہ کو میرے منہ میں اور آنکھوں اور پیشانی وغیرہ مواضعِ سجود پر رکھ دینا''۔(فتاویٰ رضویہ، ۹/ ۱۱۷)
حاکم نے ''مُستَدرَكُ'' میں بطریقِ حمید بن عبد الرحمٰن رَواسی روایت کیا: انہوں نے کہا ہم سے حسن بن صالح نے حدیث بیان کی وہ ہارون بن سعید سے، وہ ابو وائل سے راوی ہیں انہوں نے کہا کہ مولیٰ علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ کے پاس مُشک تھا وصیّت فرمائی کہ میرے حُنوط میں یہ مُشک استعمال کیا جائے، اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے حُنوط کا بچا ہوا ہے''۔(فتاویٰ رضویہ، ۹/ ۱۱۷، ۱۱۸)
ابن السکن نے بطریق صفوان بن ہبیرہ عن ابیہ روایت کی: ''ثابت بُنانی فرماتے ہیں: مجھ سے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ موئے مبارک سیّدِ عالم ﷺ کا ہے، اِسے میری زبان کے نیچے رکھ دو، میں نے رکھ دیا، وہ یوں ہی دفن کئے گئے کہ موئے مبارک اُن کی زبان کے نیچے تھا'' (اِسے ''اِصابَة'' میں ذکر کیا گیا)۔(فتاویٰ رضویہ، ۹/ ۱۱۸)
''دَلَائِلُ النُّبُوَّةِ''، ''بیهقی'' و ''ابن عساكر'' امام محمد بن سیرین سے راوی: ''انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضور سید عالم ﷺ کی ایک چھڑی تھی وہ اُن کے سینہ پر قمیص کے نیچے اُن کے ساتھ دفن کی گئی''۔(فتاویٰ رضویہ ۹/ ۱۱۸)

۵۷۔ اِس گھناونے فعل کا اِقرار کرتے ہوئے محمد بن عبد الوہّاب نجدی کا بیٹا عبد العزیز بن محمد کہتا ہے: اِس میں ہمارا منشاء تا بحدِّ اِمکان شرک کے ذرائع کا اِنسداد ہے اور کچھ نہیں۔ باقی بی بی خدیجہ کا قُبّہ یا مولدُ النّبی کا قُبّہ یا دیگر بزرگوں کے قُبّے جو گرائے گئے ہیں اُس میں ہمارا منشاء صرف یہ ہے کہ لوگ شرک سے باز رہیں الخ (ترجمانِ وهّابيه، ص:٦٧)

آپ حضرات کو میں خُدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا مَکّۂ مُکرّ مہ میں کوئی غیر اِسلامی حکومت ہوتی تو کیا وہ بھی ایسا گھناؤنا عمل کرتی ؟ نہیں! خُدا کی قسم! وہ ایسا نہ کرتی بلکہ اُس عظیم مقام کی حفاظت کرتی کہ یہ ایک تاریخی مقام بھی تھا اور درحقیقت یہ مکانِ عالیشان معنوی طور پر کسی طرح اُس منبرِ رسول ﷺ سے شان وعظمت میں کم نہیں تھا جس کا مسح ،جس سے برکتیں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیا کرتے تھے جس کے قُرب میں یہ حضرات دعائیں مانگا کرتے تھے، یہ وہ شخصیات ہیں جو سَلَف واَکابر ہیں جو دیگر لوگوں کے مقابلے میں زمانۂ جاہلیّت کو قریب سے دیکھ چکے تھے جو کہ فساد کے رستوں کو بند کرنے کا موجب تھا۔ ''المنھاج''اور اُس کی شرح کی جو عبارات ہم نے نقل کی ہیں اُس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، اولیاء اور صالحین کی قُبُور پر عمارات تعمیر کرنا، یا تو مستحب ہے یا پھر مباح ،علاّمہ کے اُس قول کے سبب جو اُنہوں نے اُس مقام پر بیان کیا ہے جہاں انہوں نے حالیہ فوت شُدہ شخص کو دفن کرنے کے لئے سابق میں دفن کردہ مُردے کی گلی ہڈیاں کھود کر نکال دینے کا جواز بیان کیا ہے، (۵۸)

۵۸۔ یہ حکم شوافع کے نزدیک ہے عندالاحناف حکمِ شرعی کی معرفت کے لیے امامِ اہلسُنّت سے کئے گئے ایک سوال کو بمع جواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: جس گورستان کی بوجہِ کمیٔ زمین وکثرتِ دفنِ مُردگان سے یہ حالت ہوگئی کہ نئی قبریں کھودنے پر کثرت سے مردوں کی ہڈیاں نکلتی ہوں اور بصورت موجود رہنے دوسرے گورستان متّصِل اُس کے، جو اُن سب شکایتوں سے پاک وصاف ہو اُس کو چھوڑ کر خواہ مخواہ صرف بخیالِ مدفن ہونے آباء واجداد، اپنے ایسے گورستان میں دوسرے مُردوں کی ہڈیاں اُکھاڑ کر مُردہ دفن کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بحالتِ مذکورہ اُس قبرستان میں دفن کرمحض ناجائز وحرام ہے۔ ہمارے علماء نے متعدّد کتابوں میں اِس کی تصریح فرمائی، اب اوہامِ جہال ومدَّعیانِ علم وکمال کے اِزالہ کو چند نُصوص ذکر کریں، امام مُحقِّق عَلَی الاِطلاق کمال الدِّین محمد ابن الھمام رحمۃ اللہ علیہ ''فتح القدیر شرح ھدایۃ'' میں فرماتے ہیں: بلا مجبوری ایک قبر میں دو کا دفن جائز نہیں، نہ بلا مجبوری دوسرے کے دفن کے لئے قبر کھودنے کی اجازت، مگر جب کہ پہلا بالکل خاک ہوگیا ہو کہ اُس کی ہڈّی تک نہ رہی، ہاں! مجبوری ہو تو ہڈّیاں ایک طرف جمع کر کے اُنمیں اور اُس میّت میں مٹّی کی آڑ قائم کر دیں۔

اور یہ تمام بحث ''مشکل الوسیط'' میں مذکور حضرت موفق بن حمزہ علیہ الرحمہ کے قول ہی کی طرح ہے کہ یہ صورت اُس وقت عمل میں لائی جائے گی جب کہ مدفون صحابیٔ رسول ﷺ یا کوئی ایسا فرد نہ ہو جس کی وِلایت کا ڈنکا بجتا ہو، ورنہ اُس مقام پر آثار کے بوسیدہ ہونے کے باوجود بھی ایسی کُھدائی کرنا ممتنع ہوگا۔ (۵۹)

بعض متأخِرین علماء نے اِس کی یوں تائید کی ہے کہ اُنہوں انبیاءِ کرام اور صالحین کی قُبور پر عمارت بنوانے کی وصیّت کے جواز کا قول کیا ہے کہ اِس میں زیارتِ قُبور کا اور صاحبِ مزار سے حصولِ برکت کے طرزِ عمل کا اِحیاء ہے کیونکہ علماء کا یہاں بالجزم یہی فیصلہ ہے کہ انبیاءِ کرام وصالحین کی قُبور پر عمارت بنوانا جائز ہے، (۶۰) اُس کے ساتھ یہ بات بھی گزر چکی کہ

''تاتارخانیہ'' و''اِمدادُ الفتّاح'' میں ہے: اگر میّت بالکل خاک ہو جائے جب بھی اُس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا ممنوع ہے کہ حُرمت اب بھی باقی ہے، اور اگر مزاراتِ صالحین کے قُرب کی برکت حاصل کرنے کی غرض سے میّت کی ہڈیاں ایک کنارے جمع کردیں تو اَب بھی ممنوع ہے جب کہ فارغ جگہ دفن کو مل سکتی ہے۔

امام محمد ابن امیر الحاجّ رحمہ اللہ تعالیٰ ''حلیۃ'' میں فرماتے ہیں: بلا مجبوری ایک قبر میں دو کا دفن جائز نہیں، اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ تہ خانوں میں دفن منع ہے خصوصاً جب کہ وہاں کوئی میّت موجود ہو جو اَبھی خاک نہ ہوا، اور وہ جو بعض گورکن وغیرہ جاہلان بدعقل کرتے ہیں کہ وقفی یا غیر وقفی قبرستان میں وہ قبر جس کا مُردہ ہنوز خاک نہ ہوا کھود کر دوسرا دفن کر دیتے ہیں، یہ صریح معصیّت ہے، ہر مسلمان کو چاہیئے کہ حتّی الاِمکان اُنہیں ایسا کرنے سے خود روکے، اور اُس کے روکے نہ رُکیں تو حُکّام کو اطلاع دیں کہ وہ اُن لوگوں کو سزا دیں، اور شریعت سے معلوم ہوا کہ کسی کو اُس کے عزیز یا تبرّک کے لئے کسی مزار کے پاس دفن کرنے کی غرض سے ابتداءً دو جنازے ایک قبر میں رکھنا حلال نہیں جب کہ وہاں دوسرا مقبرہ موجود ہو، نہ کہ اِن وُجُوہ کے لئے اگلی قبر کھودنا، اور ایک کے خاک ہونے سے پہلے دوسرے کا اُس میں داخل کرنا، یہ کیسے حلال ہو سکتا ہے حالانکہ اُس میں پہلے میت کی ہتکِ حُرمت اور اُس کے اَجزاء کا متفرّق کرنا ہے تو خبردار اِس حرکت سے بچو۔ (فتاویٰ رضویہ، ۳۸۵/۹ تا ۳۸۸، ملخصاً)

۵۹۔ نهاية المُحتاج إلىٰ شرح المِنهاج، كتاب الجنائز، باب نقل الميّت قبل دفنه إلخ، ۳۹۵/۸۔

۶۰۔ امامِ اہلسنّت نے اِس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے فرمایا کہ ائمۂ دین نے مزاراتِ علماء ومشائخ قُدّسَت اَسرارُہم کے گرد، زمین جائز التّصرف میں اِس غرض سے کہ زائرین ومستفیدین راحت پائیں عمارت بنانا

حُرمتِ قبر کے پیشِ نظر قبرِ مسلم کو برابر کر دینا یہ حرام اور مباح زمین میں صالحین کی قبروں پر عمارت تعمیر کرنا جائز ہے۔ میں کہتا ہوں، اِس تعمیر کے جواز کی دلیل یہ بھی ہے کہ یہ (عمارتیں) قبروں کی علامت ہے، مروی ہے کہ حضورﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرہانے ایک بڑا پتھر رکھ دیا اور فرمایا: ''اِس کے ذریعے میں اپنے بھائی کی قبر پر نشانی لگا رہا ہوں تا کہ میرے اہلِ خانہ میں سے جن کا انتقال ہوا اُسے اِس کے پاس دفن کرسکوں۔'' (۶۱)

جائز رکھا اور تصریحات فرمائیں کہ علّتِ منع، نیّتِ فاسدہ، یا عدمِ فائدہ ہے تو جہاں نیّت محمود، اور نفع موجود، منع، مفقود۔

تفصیلِ صُوَر و تحقیقِ اغراس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر پہلے عمارت بنالی جائے بعدہ اُس میں دفن واقع ہو جب تو مسئلہ بِناء عَلَی القَبر سے متعلق ہی نہیں کہ یہ اِقبار فِی البِنَاء ہے نہ بِناء عَلَی القبر اور اگر دفن کے بعد تعمیر ہو تو اِس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ خود نفسِ قبر پر کوئی عمارت چُنی جائے اِس کی ممانعت میں اصلاً شک نہیں کہ سقفِ قبر، و ہوائے قبر حقِّ میّت ہے، معھذا اِس فعل میں اُس کی اِہانت و اَذیّت، یہاں تک کہ قبر پر بیٹھنا، چلنا ممنوع ہوا، نہ کہ عمارت چننا۔

ہمارے بہت علمائے مذہب قُدِّسَتْ اَسْرَارُھُمْ نے احادیث و روایات نھی عَنِ البِنَاء سے یہی معنی مراد لئے اور فِی الوَاقع بِناء عَلَی القَبر کے حقیقی معنی یہی ہیں، گردِ قبر کوئی مکان بنانا حَول القبر ہے نہ کہ عَلَی القَبر جیسے صلوۃ عَلَی القَبْر کی ممانعت، بجنب القبر کو شامل نہیں کما نص علیہ العُلَمَاءُ قاطبۃ و بیناہ فی فتاوٰنا، دوسری یہ کہ گردِ قبر کوئی چبوترہ یا مکان بنایا جائے، یہ اگر زمین ناجائز تصرّف میں ہو جیسے مِلکِ غیر بے اذنِ مالک یا ارضِ وقف بے شرطِ واقف، تو اِس وجہ سے ناجائز ہے کہ ایسی جگہ تو مسجد بنانی بھی جائز نہیں اور عمارت تو اور ہے یوں ہی اگر بہ نیّتِ فاسدہ ہو مگر زینت و تفاخُر جیسے اُمَرَاء کی قُبور پر ابنیۂ رفیعہ، بمصارفِ وسیعہ اِس غرض سے بنائے جاتے ہیں، تو یہ بوجہِ فسادِ نیّت ممنوع۔ اسی طرح جہاں بے فائدہ محض ہو جیسے کوئی قبر کسی بَن میں واقع ہو جہاں لوگوں کا گُزر نہیں یا عوام غیرِ صُلحاء کی قُبور جن سے نہ کسی کو عقیدت کہ بجہتِ تبرّک و اِنتفاع اُن کے مقابر پر جائیں نہ اُن کے دنیا دار ورثہ سے اُمید کہ وہی جاڑے، گرمی، برسات مختلف موسموں میں بقصدِ زیارتِ قبر، ونفعِ رسانیٔ میّت، وہاں جا کر بیٹھا کریں گے، قرآن و ذکر میں مشغول رہیں گے یا بروجہِ جائز قرّاء و ذاکرین کو وہاں مقرر رکھیں گے، ایسی صورت میں بوجہِ اِسراف و اِضاعتِ مال بھی ہے جہاں اِن سب مَحذورات سے پاک ہو وہاں مُمانَعت کی کوئی وجہ نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، ۹/ ۴۱۳، ۴۱۵ ملخصاً)

۶۱۔ سُنَن أبی داؤد، کتاب الجنائز، ۶۳۔باب فی جمع الموتی إلخ، برقم ۳۲۰۶، ۳/۳۵۳۔

علامہ رملی علیہ الرحمۃ شارح ''المِنھَاج'' نے یہ تفریع بیان کی کہ علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ شہر کے قبرستان میں قبروں پر بنی عمارت کو منہدم کر دیا جائے گا کہ یہ جگہ وقفِ عامہ میں سے ہے، جس میں دیگر مسلمانوں کا بھی حق ہے۔ (۶۲) فرماتے ہیں: اِس کلام کو اُس صورت پر محمول کرنا ظاہر ہے جب کہ اُس جگہ کی وضع کا حال معلوم ہو۔ پس اگر اُس کا حال معلوم نہ ہو تو ایک طرح کے حق کی وجہ سے اُسے اُسی وضع پر محمول کرتے ہوئے چھوڑ دیا جائے گا جیسا کہ عیسائیوں کے وہ گرجا گھر جن پر ہمارے شہروں میں موجود ذِمّی کا فرڈٹے ہوئے ہیں اور ہم اُن گرجا گھروں کے حال سے واقف نہیں ہیں۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ہمارے امام، امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ القوی کا گنبد ناجائز تصرّفات میں سے نہیں ہے کیونکہ وقف سے قبل یہ ابنِ عبدالحکم کا مکان تھا۔ (ان کا کلام مکمل ہوا) (۶۳)

اور رہا بقیع شریف تو بقیعِ پاک کا وقف ہونا ثابت نہیں اور ہماری ماقبل بیان کردہ باتوں سے یہ بخوبی معلوم ہوگیا کہ حضورﷺ کی قبرِ انور کے پاس اور انبیاءِ کرام علیھم السّلام اور صالحین رحمھم اللہ تعالی کی قبروں کے پاس دعا کرنے میں قبولیت کی اُمید ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ (النّساء: ٤/ ٦٤)

۶۲۔ قبرستان وقف ہو تو اس صورت میں وہاں ناجائز تَجاوُزات کا کیا حکم ہے؟ اس حوالے سے امام اہلسنّت نے ارشاد فرمایا: قبرستان وقف ہے اور وقف میں اپنی سکونت کا مکان بنانا وقف بیجا ہے۔ اور اس میں تصرّفِ بے جا حرام ہے۔ پھر اگر اس قطعہ میں قُبور بھی ہوں اگرچہ نشان مٹ کر، ناپید ہوگئی ہوں، جب تو متعدّد حراموں کا مجموعہ ہے، قبروں پر پاؤں رکھنا ہوگا، چلنا ہوگا، بیٹھنا ہوگا، پیشاب پاخانہ ہوگا اور یہ سب حرام ہے، اِس میں مسلمانوں کو طرح طرح ایذاء ہے اور مسلمان بھی کون، اَموات کہ شکایت نہیں کر سکتے دنیا میں عوض نہیں لے سکتے، بے وجہ شرعی مسلمانوں کی اِیذاء اللہ و رسول کی اِیذاء ہے اللہ و رسول کو اِیذاء دینے والا مستحقِ جہنّم۔ (فتاویٰ رضویہ، ۹/ ۴۰۹ ملخصاً)

۶۳۔ نهايةُ المُحتَاج إلى شرح المِنهَاج، باب تجصيص القبرإلخ، ٨/ ٣٦٩۔

ترجمہ: اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں، اور پھر اللہ سے مُعافی چاہیں، اور رسول ﷺ اُن کی سفارش فرمائے، تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔ (کنزالایمان)

بعض صحابہ کرام علیہم الرّضوان حضور ﷺ کی قبرِ انور کے پاس آئے اور اِس آیت مبارکہ کی تلاوت کی اور جنابِ اِلٰہی میں دُعا کی حضور ﷺ سے اپنی حاجت برآوری کے لئے شفاعت طلب کی تو اُن کی وہ دُعا قبول کر لی گئی، اِس طرح کے واقعات کُتُبِ احادیث میں مذکور ہیں، ان کے متعدد اور مشہور ہونے کی بناء پر ہم انہیں ذکر کر کے کلام کو طول نہیں دیں گے اور ہم فقط اُن باتوں کو بیان کرنے پر اکتفاء کریں گے جو ابنِ تیمیہ نے اپنی کتاب ''**اقتِضَاء الصِّراط المُستَقِیم**'' وغیرہ میں '' **کیفیة زیارتِ النّبیّ ﷺ والدُّعا عند قبرہ**'' اور یونہی ''**کیفیةُ زیارةِ قُبورِ المسلمین**'' کے عنوان کے تحت ذکر کی ہیں جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا، ابن تیمیہ نے لکھا: اور میت کے حق میں کی گئی دُعا کے ضمن میں زائر کا اپنے اور کُل مسلمانوں کے لئے دعا کرنا۔ (۶۴)

ابن تیمیہ نے اپنی اِسی کتاب میں یہ روایت بھی ذکر کی ہے، ابن ابی فدیک کہتے ہیں میں نے جن صاحب کی صحبت پائی انہیں یہ بات فرماتے سُنا کہ جو شخص حضور علیہ الصّلوٰۃ و السّلام کی قبرِ انور کے پاس کھڑے ہو کر اِس آیت مبارکہ کی تلاوت کرے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ الآية

(الأحزاب:۳۳/۵۶)(۶۵)

اور پڑھے: '' **صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَامُحَمَّدُ** ﷺ''، حتی کہ ستّر بار یہ کلمات پڑھے تو ایک فرشتہ ندا کرتا ہے: اے فلاں! اللہ تعالیٰ کی تجھ پر رحمت ہو، پھر اُس کی کوئی حاجت

۶۴۔ اقتِضاءُ الصِّراط المستقیم، باب ما ینبغی لقُبور المسلمین إلخ، ص:۳۲۵۔

۶۵۔ ترجمہ: کنزالایمان: بیشک اللہ اور اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اُس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو! اُن پر درود، اور خوب سلام بھیجو۔

ساقط نہیں ہوتی۔ (۶۶)

پھر ابنِ تیمیہ نے کہا: محمد بن حسن بن زبالة کے حوالے سے کتاب ''**أخبار المدینة**'' میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت زبیر ابن بکار، حضرت عبدالعزیز دراوردی سے نقل کرتے ہیں: میں نے اہلِ مدینہ میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کا نام محمد بن کیسان تھا کہ وہ روزِ جمعہ نمازِ عصر سے فارغ ہونے کے بعد آتا، ہم حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کے ساتھ بیٹھے ہوتے وہ شخص آ کر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی قبرِ انور کے پاس کھڑا ہو جاتا پھر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بارگاہ میں سلام عرض کرتا اور دُعائیں مانگتا رہتا حتّٰی کہ شام ہو جاتی، حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی ہمنشین نے کہا اِن صاحب کو دیکھو کیا کر رہے ہیں؟ حضرت ربیعہ نے جواباً فرمایا: اِن صاحب کو اُن کے حال پر چھوڑ دو کہ ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی وہ نیّت کرے۔ ''محمد بن حسن'' صاحبِ ''اخبار'' علماءِ مُحدِّثین کے نزدیک ''امام واقدی'' کی طرح ضعیف ہے لیکن اُن کی اِس روایت پر اعتماد کیا گیا ہے اور اِسے معتبر قرار دیا گیا ہے نیز اِس حکایت سے جانبین کے افراد نے دلیل لی ہے۔ (۶۷)

یعنی اِس حکایت سے اُن حضرات نے بھی دلیل لی ہے جو بالخصوص دُعا کرنے کے لئے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی قبرِ انور پر حاضری میں کچھ مضائقہ نہیں جانتے اور اُن لوگوں نے بھی جو اِسے مستحسن نہیں سمجھتے اور اِس کے اِستحسان کو نیّتِ صالحہ پر محمول کرتے ہیں جیسا کہ ابن ابی فُدَیک کے حوالے سے منقول واقعہ ہے جس کا ذکر ماقبل گزرا۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''**اقتِضَاءُ الصِّراط المُستَقِیم**'' کے ایک سے زائد مقام پر خصوصاً دُعا کے لئے قبر پر حاضری دینے کے مکروہ ہونے کی تصریح کی ہے اور زیارتِ قُبور کے ضمن میں قبر کے پاس دُعا کرنے کے مَندوب اور مُباح ہونے کی صراحت کی ہے کہ

۶۶۔ اقتِضَاء الصِّراط المستقیم، باب لم یرخّص أحد من السّلف إلخ، ص:۳۶۹

۶۷۔ اقتَضَاءُ الصِّراط المُستقیم، بطلان الاحتجاج إلخ، ص:۳۷۱

دُعا، زیارتِ قُبور کے ضمن میں بحیثیت تابع ہونے کے کی جائے۔(۶۸)

جناب کا یہ قول اُس ورع سے بھی وراء ہے جسے امام غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی نے اپنی کتاب ''**اِحیَاءُ العُلُوم**'' کے ''**بابُ الحَلالِ و الحَرَامِ و الوَرَعِ**'' میں بطور تتمّہ بیان کیا ہے۔

حجازِ مقدّس پر قابض ہونے کے بعد اِس نجدی حکومت کے ہرکاروں نے جو گھناؤنے کام سرانجام دیئے جیسے جنّتُ البقیع وغیرہ میں صحابۂ کرام علیہم الرّضوان اور اہلِ بیت اطہار علیہم الرّضوان کی قبروں پر موجود عمارتوں کو ڈھا دینا یہ ایسے کام ہیں جن پر اوّلاً کوئی شرعی قاعدہ منطبق ہی نہیں ہوتا کیونکہ اِن عمارات سے مَوْرِدِ نہی اور اُس کی عِلّت کا کوئی تعلق نہیں، اِس اعتبار سے کہ ہمیں پتا نہیں چلا کہ کسی مسلمان نے اُن مزارات کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی ہو، اُنہیں سجدہ کیا ہو حتی کہ کہا جا سکے کہ یہ سابقہ اُمّت کی گمراہیوں میں سے ہے، ثانیاً یہ عمارتیں اُن حضراتِ قدسیّہ کی قبروں کی حفاظت کی غرض سے بنائی گئی ہیں تاکہ اُن صاحبان کی پہچان ہو سکے جیسا کہ نبی پاک ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرہانے ایک بڑا پتھر رکھا تھا اور فرمایا تھا: ''اِس کے ذریعے میں اپنے بھائی کی قبر پر نشانی لگا رہا ہوں تاکہ میرے اہلِ خانہ میں سے جس کا انتقال ہوا اُسے اس کے پاس دفن کر سکوں۔''(۶۹)

۶۸۔ اقتِضَاءُ الصِّراط المستقیم، باب ماینبغی لقُبور المسلمین إلخ، ص:۳۲۶ (بالخصوص استغفار ودُعا کے لئے قبرستان جانے کو مکروہ قرار دینا، ابن تیمیہ کی اپنی ذاتی اختراع ہے۔ میّت کے حقّ میں دُعائے خیر کرنے کے لیے قبرستان جانا سنّت ہے۔ جیسا کہ امام اہلسنّت نے ارشاد فرمایا: خود حضور اقدس ﷺ سے کھڑے ہو کر میّت کے لئے (دُعا کرنا) مروی خود فقہاء فرماتے ہیں: قبر کے پاس کھڑے ہو کر دُعا سنّت ہے، ''فتح القدیر'' میں ہے: سنّت سے معہود صرف قبروں کی زیارت ہے اور وہاں کھڑے ہو کر دُعا کرنا جیسے بقیع شریف تشریف لے جانے کے وقت رسول اللہ ﷺ کا عمل مبارک تھا۔ ''مسلك ملتقط'' میں ہے: زیارتِ قُبور کے آداب سے یہ ہے کہ سلام کرے پھر کھڑے ہو کر دیر تک دُعا کرے (فتاویٰ رضویہ، ۹/۲۴۵)

۶۹۔ قد مرّ تخریجه سابقاً۔

بالفرض اگر اُن مقامات کی زیارت غیر مشروع طریق پر ہو رہی تھی تو نجدی حکومت کے لئے یہ کافی تھا کہ اِس سے لوگوں کو روکتے۔

ثالثاً: اِن مزارات کی تعمیر سلف وصالحین کے زمانہ میں ہوئی تو یہ امر اِس بات کا مقتضی تھا کہ اِن عمارات کو اُن عمارات پر قیاس کیا جاتا جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصّلاۃ والسّلام کی قبر مبارک پر ہے، فتوحاتِ اسلامیہ کے زمانے میں اُس عمارت کو منہدم نہیں کیا گیا، کئی اکابر صحابہ بالخصوص حضرت سیّدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس کی زیارت کی اور اُسے منہدم نہیں کیا اور نہ اُس کو منہدم کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''**اقتِضَاءُ الصِّرَاط المُستَقِیم**'' میں اُس عمارت کے عہدِ صحابہ علیہم الرضوان میں موجود ہونے کا ذکر کیا ہے۔(۷۰) اگرچہ جناب نے دعویٰ کیا ہے کہ اُس عمارت کا دروازہ چار سو ہجری تک بند رہا تھا، لیکن کیا اُنہوں نے فتوحاتِ اسلامیہ کے عہد میں نیز اُس کے بعد بھی اُس عمارت کے ہونے کا اعتراف نہیں کیا؟ نجدی حکومت کو چاہیئے تھا کہ وہ اُن تعمیرات کو اُن کے حال پر رہنے دیتے جیسا کہ صحابۂ کرام علیہم الرّضوان نے حضرتِ خلیل علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلاۃ والسّلام کی قبرِ انور پر قائم عمارت کو باقی رہنے دیا تھا، کیا اُن مزارات کو منہدم کرنے کے بجائے اُن کے دروازے مُقفّل کر دینا اُن کے لئے کافی نہ تھا کہ یہ اِنہدام تو صاحبِ مزار کو اذیّت دینا ہے جس کی شرعاً ممانعت ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اِسے بیان کیا ہے، رہا اُن لوگوں کا مسجدِ ابوقبیس، دار الخیزران اور غارِ حراء کو منہدم کر دینا باوجود اِس کے کہ اُن کی تعمیر قبروں پر نہیں تھی اور یہ تاریخی مقام تھے بالخصوص غارِ حراء کہ یہ تو قبلِ بعثت، حضور ﷺ کی عبادت کرنے کی جگہ تھی بلکہ یہ تو اُن آثار میں سے ایک اثر تھا جس کی حضرتِ ابن عمر وغیرہ صحابۂ کرام علیہم الرّضوان حضور ﷺ کے حالاتِ زندگی

۷۰۔ اقتِضَاءُ الصِّراط المُستَقِیم، یحب هَدم المساجدِ المبنی إلخ، ص:۳۳۰

سے متعلق ہونے کی وجہ سے طلب میں رہا کرتے تھے (۷۱) اور یہ حضورﷺ کی ادائیگیِ نماز کی جگہ تھی جیسا کہ ''اقتِضاء الصِّراط المُستَقِیم'' میں امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کے حوالے سے اَسلاف کے اِس طرزِ عمل کا منقول ہونا گزرا۔

یہ مسئلہ اور ہمارے بیان کردہ ماقبل مسائل اور اِس کی مثل دیگر مسائل جن میں علماءِ اَمصار اور علماءِ نجد کے مابین اختلاف ہے، لیکن نہ زمانۂ سلف میں نہ خلف میں اور نہ اُن کی حکومتوں میں ایسی بات سُننے کو ملی اور نہ اِس کا کہیں ذکر ملا کہ اہلِ سُنّت والجماعت کے مذاہب فقہیّہ میں سے کسی ایک ہی مذہب کی پیروی اور اتباع پر لوگوں کو مجبور کیا گیا ہو۔ (۷۲)

شریعتِ اسلامیہ وُسعت رکھتی ہے اور اہلِ سنّت والجماعت کے تمام ہی مذاہب کے

۷۱۔ یہ نجدی ایسا کیوں نہ کرتے کہ اُن کے نزدیک تو یہ متبرّک مقامات شرک اور اِلحاد کے اڈّے ہیں۔ محمد بن عبدالوھّاب نجدی کا بیٹا عبداللہ بن محمد نجدی مزارات کو منہدم کرنے کا اقرار کرتے ہوئے لکھتا ہے: اس میں ہمارا منشاء تا بحدِّ اِمکان شرک کے ذرائع کا اِنسداد ہے اور کچھ نہیں۔ باقی بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالی عنھا کا قُبّہ یا مَولدُ نبیﷺ کا قُبّہ یا دیگر بزرگوں کے قُبّے جو گرائے گئے ہیں اُس میں بھی ہمارا منشاء صرف یہ ہے کہ لوگ شرک سے باز رہیں اور وہاں سجدے نہ کریں، نہ اُن سے اِمداد مانگیں۔ (تحفۂ وھّابیہ، ص:٦٧)

۷۲۔ سوادِ اعظم، اہلِ سنّت والجماعت کے چار مذاہب میں منقسم ہیں اور اُن سے جُدا ہونے والے اَفراد گمراہ ہیں، اِس حوالے سے جلیلُ القدر علماء کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں: علامہ سیّد احمد طحطاوی علیہ الرحمہ نے فرمایا: جو شخص جمہور فقہاء، علماء اور سوادِ اعظم سے جُدا ہوا، وہ ایسی چیز کے ساتھ تنہا ہوا جو اُسے جہنّم میں داخل کرے گی۔ اے گروہِ مسلمین تم پر! اُس نجات پانے والے گروہ کی پیروی کرنا لازم ہے جو اہلِ سنّت والجماعت کے نام سے موسوم ہے کہ نُصرتِ خداوندی، اُس کی حفاظت فرمانا اور اچھے کاموں کی توفیق دینا یہ موافقتِ اہلسنّت میں ہے اور اللہ تعالیٰ کا رُسوا کرنا، غضب فرمانا اور عذاب دینا، اہلسنّت کی مخالفت میں ہے اور یہ نجات یافتہ گروہ اب چار مذاہب میں جمع ہیں حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، اِن تمام پر اللہ کی رحمت ہو اور جو اِن چار فقہی مذاہب سے اِس زمانہ میں خارج ہے وہ بدعتی اور جہنمی ہے۔ (حاشیةُ الطَّحطاوی علی الدُّرِّ المختار، کتاب الذّبائح، ٤/١٥٣)

مُفسِّر شہیر قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے فرمایا: اَہلسنّت تیسری، یا چوتھی صدی میں چار مذاہب میں تقسیم ہو گئے اور فروعی مسائل میں مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کے علاوہ کوئی دوسرا مذہب باقی نہ رہا۔ (تفسیر المظھری، تحت قوله: ﴿قُلْ يَاَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا﴾، (الِ عمران: ٣/٦٤)

پیروکاروں کے پاس قرآن وسُنّت سے اپنے اختیار کردہ مسائل پر دلائل و براہین موجود ہیں نجدی امراء اور حُکّام کا حال یہ ہے کہ اُن میں جو لوگ خوشحال اور آسودہ حال ہیں، وہ ریشمی لباس پہنتے ہیں حلانکہ مرد کے لیے اِس کی حُرمت اجماعی ہے، یونہی اُن کے چاندی کے تاروں سے کڑے سونے کے کام سے مُزَّین لباس اپنے علماء کے سامنے پہننا کہ اُن کے اِس فعل کی حُرمت تمبا کو نوشی کی حُرمت سے کہیں بڑھ کر ہے (یاد رہے حضرات نجدیہ کے نزدیک سگریٹ نوشی حرام ہے) اور اِس سے بڑھ کر بُری شئے جنابِ باری تعالیٰ کے بارے میں اُن کا ایسے اُمور کا اعتقاد رکھنا ہے جو جسمانیّت باری تعالیٰ کو مُستلزِم ہے اور یہ جسمانیّت کا قول (العیاذ باللہ تعالیٰ) حُدوثِ باری تعالیٰ کو مُستلزِم ہے۔ (۷۳)

۷۳۔ **غیر مُقلّدین کے اقوال**، جسمانیّت باری تعالیٰ پر دالّ:

حضراتِ نجدیہ کے جسمانیّتِ باری تعالیٰ پر دلالت کرنے والے بعض اقوال ملاحظہ فرمائیں۔

علاّمہ ابنِ حجر مکی علیہ الرّحمہ نے ابنِ تیمیہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھا: اللہ تعالیٰ عرش کے برابر ہے، نہ اُس سے چھوٹا ہے اور نہ اُس سے بڑا ہے۔ (الفتاوی الحدیثیّة، مطلب: علی أنّ أبابکر بن العربی إلخ رقم السّوال: ٦٩، ص: ١٥٩)

غیر مُقلّد عالم وحید الزّمان نے ﴿اِسْتَوىٰ اِلَى السَّمَاءِ﴾ (البقرة: ٢/٢٩) کا ترجمہ کیا: پھر آسمان کی طرف چڑھ گیا۔ (تبویب القرآن ۱/۴۵)

﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾ (البقرة: ٢/٥٥) کا ترجمہ مع وضاحت کرتے ہوئے لکھا: اور وہ اُونچا ہے بڑا۔ کیونکہ اُسکی ذاتِ مُقدّس عرش کے بھی اُوپر ہے۔ (تبویب القرآن ۱/۴۷)

﴿يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَاتَكْسِبُوْنَ﴾ (الأنعام: ٦/٣)

تمہاری چھپی اور کُھلی باتوں کو جانتا ہے اور تمہارے کام (بھی) جانتا ہے یعنی گو پروردگارِ عالم آسمانوں کے اُوپر اپنے عرش پر ہے مگر عرش پر رہ کر زمین کی رتّی رتّی دیکھ رہا ہے۔ (تبویب القرآن ۱/۵۰)

مولوی وحید الزمان نے اپنی کتاب ''ہدیۃ المھدی'' میں لکھا: اللہ تعالیٰ جب آسمان دنیا کی طرف نُزول فرماتا ہے تو عرشِ معلّٰی اُس سے خالی رہتا ہے یہ قول زیادہ صحیح ہے۔ (هدية المهدی، ص ١٠)

شیخ الاسلام ابن حجر مکی علیہ الرحمہ نے ابن تیمیہ کا عقیدہ لکھتے ہوئے فرمایا: قوله بالجسمية و الجهة، وہ (ابن تیمیہ) اللہ تعالیٰ کے لئے جسم اور جہت کا قائل تھا (الفتاویٰ الحدیثیّة، مطلب علی أن أبابکربن علی من أصحاب الغزالی إلخ، رقم السّوال: ٦٩، ص ١٥٧)

اور جب اِس مسئلہ میں اُن سے بات کی جائے تو بطورِ عُذر کہتے ہیں: لازمِ مذہب، مذہب نہیں ہوا کرتا، اور اُن کا اِس سے بھی بڑا گُناہ کثیر مسلمانوں کی تکفیر کرنا، اُن کا قتلِ عام کرنا اور اُن کے اموال چھین لینا ہے۔ اب بیداری کا وقت آچکا ہے کعبۂ مُشرَّفہ کے بعد حرمین شریفین میں تاریخی مقامات میں سے فقط گنبدِ نبوی باقی رہ گیا ہے جو کہ سیّد المُرسَلین ﷺ کا بلکہ دین کا گھر ہے (۷۴)

اور اب سمجھدار مسلمانوں کو سب سے زیادہ خوف اِس بات کا ہے کہ جب ابنِ سعود کی سیاست پر اکثر نجدی غالب آجائیں گے تو اُس وقت اُن جاہلوں کے ہاتھ بُرے ارادے سے اُس نبوی گنبد کو ڈھانے اور اُس حجرۂ نَبَوِیّہ کی توہین کی طرف بڑھیں گے جو رسولِ ربّ العالمین کی قبرِ انور سے ملا ہوا ہے جو کہ وحی و تنزیل کا مقام ہے، جہاں جبریل علیہ السلام کا آنا جانا تھا، اِس فعلِ بدانجام کے ہوجانے کے بعد مسلمان ایسے عار سے آلودہ ہوجائیں گے جسے اَدْوار کی گردش بھی نہ مٹا پائے گی۔ اور اُن کی بازگشت ماتم کی آواز بن کر رہ جائے گی جو ماتم شب و روز کی تبدیلی تک جاری رہے گا۔

یہ ماتم ہے جو اُسی وقت پورا ہوگا جب کہ گھوڑے گھڑسواروں کے خون سے نہالیں گے

اسماعیل دہلوی نے لکھا: اِسی طرح واجبُ الوجود (یعنی حق تعالی) کو زمان و مکان اور جہت و ماہیّت اور ترکیبِ عقلی سے پاک و منزہ سمجھنا بدعاتِ حقیقیہ کی قسم سے ہیں۔ (اِیضاح الحقّ الصّریح (مترجم)، ص:۷۷)

۷۴۔ وہ سبز گنبد جو عاشقوں کے دل کی دھڑکن ہے اُس سبز گنبد کے بارے میں یہ نام نہاد بدمذہب کیا عقیدہ رکھتے ہیں ملاحظہ فرمائیں: آنحضرت ﷺ کے روضۂ مبارک پر گنبدِ خضراء مصری حکمرانوں نے تعمیر کیا، جو کہ بیحد افسوسناک عمل ہے (قبر پرستی، ص:۳۴)

مشہور غیر مُقلّد عالم محمد اسماعیل صنعانی نے لکھا: فَاِنْ قُلْتَ: هٰذَا قَبْرُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَدْ عُمِرَتْ عَلَيْهِ قُبَّةٌ عَظِيْمَةٌ، أُنْفِقَتْ فِيْهَا الْأَمْوَالُ؟

یعنی: رسول اللہ کی اِس قبر پر جو بڑا سا گنبد تعمیر کیا گیا ہے اور اُس پر کثیر مال خرچ کیا گیا ہے اِس کا کیا حکم ہے؟

قُلْتُ: هٰذَا جَهْلٌ عَظِيْمٌ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ۔

یعنی: میں کہوں گا: حقیقۃً یہ بہت بڑی جہالت ہے (تطهيرُ الإعتقاد، ص: ٤٠)

یہ ماتم ہے جو اُسی وقت مکمل ہوگا جب کہ آنکھیں ایک زمانے تک خون برساتی رہیں گی، یہ ماتم ہے جو اُسی وقت کامل ہوگا جب کہ ایسی مخلوق پیدا ہو جو دنیا کو تہس نہس کر دے، اللہ تعالیٰ کے حضور مسلمانوں پر نازل ہونے والے اُمور کی فریاد ہے اُس باہمی قطع تعلق سے، باہمی تعاون سے ہاتھ کھینچ لینے سے، اور آپس میں جھگڑنے سے، کہ اِن بُرائیوں نے عالَمِ اِسلام کے عظیم ترین شہروں کو مشرق و مغرب میں پژمُردہ، ترقی پذیر، وپسماندہ، اور تنِ تنہا، بے یار و مددگار کر کے رکھ دیا ہے۔

''**مشكاةالمصابيح**'' میں امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''قریب ہے کہ (مختلف) قومیں تم پر اکٹھے ہو کر یوں ٹوٹ پڑیں گی جیسا کہ (متعدّد) کھانے والے کھانے کے برتن پر ٹوٹ پڑتے ہیں''۔(۷۵)

حضور ﷺ کے اِس عظیم معجزے کا ظہور ہمارے زمانے میں ہو چکا ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کی اور اُن کے اُمور پر مقرر نگرانوں کی اصلاح کر دے اور عوام و حکمران، دونوں دینِ اسلام اور شریعتِ محمدی پر ثابت قدم رہیں۔

اللہ تعالیٰ درود و سلام نازل فرمائے ہمارے سردار محمد ﷺ اور اُن کی آل اور اَصحاب پر، اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے جو سارے جہان کا ربّ ہے۔

اِن صفحات کی تسوید سے فراغت اٹھارہ جمادی الآخر تیرہ سو چالیس ہجری میں ہوئی۔

۷۵۔ مشكاةالمصابيح، كتاب الرّقاق، باب تغيّرالنّاس، الفصل الثّانى، برقم: ٥٣٦٩(١٠)، ٢٧٥/٣،٤

مآخذ ومراجع

☆ أخطاء ابن تيمية فى حق رسول الله ﷺ و أهل بيته، للدكتور محمود السيد صبيح، مركز أهل السنّة بركات، رضا، غجرات، الهند ١٤٢٤ھ- ٢٠٠٤م

☆ إحياء علوم الدّين، للإمام العلّامة أبى حامدمحمّد بن محمّد الغزالى (ت١٠٥٨ھ-١١١١م)، دار الخير بيروت، الطّبعة الثّانية١٤١٣ھ،١٩٩٣م

☆ أطيب البيان فى ردّ تقوية الإيمان، لصدرالأفاضل المفتى نعيم الدّين مراد آبادى (ت١٩٤٨م)، المكتبة الأسلاميّة، اردوبازار،لاهور۔

☆ اقتضاء الصّراط المستقيم مخالفة أصحاب الجحيم، لابن تيمية (ت-٧٢٨ھ)، المكتبة السّلفيّة، لاهور١٩٧٨م

☆ إمام محمد بن عبد الوهّاب دعوته وسيرته، فى ضمن مجموعة فتاوى لعبدالعزيز بن عبدالله بن عبدالرّحمن بن باز، (ت-١٩٩٩م)، مسائل التّوحيد، ومايلحق به،دارأصداء المجتمع، الطّبعة الثّالثة ١٤٢١ھ

☆ الأعلام، لخيرالدّين الزّركلى، دارالعلم للملايين، بيروت

☆ تفسير المظهرى، للقاضى محمد ثناء الله العثمانى النّقشبندى الحنفى (ت-١١٢٥ھ)، داراحياء التّراث العربى، بيروت، الطّبعة الأولى١٤٢٥ھ- ٢٠٠٤م

☆ تحفۂ وهّابيه (ترجمة الهدية السنيّة)، مترجم اسماعيل غزنوى (مجموعة الرّسائل للعلماء الوهّابية) آفتاب برقى بريس، امرتسر۔

☆ تقوية الإيمان، لإسماعيل الدّهلوى (ت-١٢٤٦ھ) مير محمد كتب خانه ،آرام باغ ،كراتشى۔

☆ ترجمانِ وهّابيه، لنواب صديق حسن خان بهوبالى(ت-١٣٠٧ھ)، المطبع المحمّدى ،لاهور

☆ تطهيرُ الإعتقاد، لمحمّد بن إسماعيل الصّنعانى، إدارة التّوجيه والإرشاد، مكة المكرّمة

☆ التّرغيب والتّرهيب من الحديث الشّريف، للإمام العلامة الحافظ زكى الدّين عبدالعظيم بن عبدالقوى المنذرى (ت-٦٠١ھ)، تحقيق:سعيد محمد اللحّام، دارالفكر، بيروت،الطّبعة الأولى ١٤٢١ھ-٢٠٠٠م

☆ تبويب القرآن فى مضامين القرآن، لوحيدالزّمان خان (ت-١٣٣٨ھ)،ضياءِ احسان فبلشرز، لاهور١٩٨٣م

☆ الجوهر المنظّم فى زيارة القبر المكرّم، للإمام العلّامة أحمد بن محمد بن حجر الهيتمى المكّى الشّافعى (ت-٩٧٣ھ)، دارالحاوى، بيروت، الطّبعة الأولى ١٤٢٧ھ،٢٠٠٧م

☆ حاشية الصّاوى على الجلالين للعلّامة الفقيه أحمد بن محمد الخلوتى (ت-١٢٤١ھ)، دار احياء التّراث العربى، بيروت، الطَّبعة الأولى ١٤١٩ھ- ١٩٩٩م

☆ حاشية الطّحطاوى على الدّرّ المختار، للسيّد أحمد الطّحطاوى، (ت-١٢٣١ھ)، دار المعرفة للطباعة والنّشر، بيروت،١٣٩٥ھ،١٩٧٥م

☆ الدّرر الكامنة، للعسقلانى، العلامة أحمد بن حجر الشافعى (ت٨٥٢ھ)، دائرة المعارف،

☆ الدُّرَرُالسِّنيّة، للإمام المفتى العلّامة السيّد أحمد بن زينى دحلان، حقيقت كتابوى، فتح ، استنبول، تركى، ١٩٨٢م

☆ دلائل النبوّة و معرفة أحوال صاحب الشّريعة، لأبى بكر أحمد بن الحسين البيهقى (ت٤٥٨ھ)، دار الكتب العلمية، بيروت، الطَّبعة الثَّانية ١٤٢٣ھ- ٢٠٠٢م

☆ سُنَن التّرمذى، للإمام المُحدِّث أبى عيسى محمد بن عيسى بن سَورَة (ت٢٩٧ھ)، تحقيق محمود محمد محمود حسن نصّار،دارالكتب العلميّة، بيروت، الطّبعة الأولى ١٤٢١ھ-٢٠٠٠م

☆ سُنَن أبى داؤد، للإمام أبى داؤد سليمان بن أشعث السّجستانى الأزدى (ت٧٤٨ھ)، دارابن حزم، بيروت، الطّبعة الأولى ١٤١٨ھ-١٩٩٧م

☆ سيراعلام النّبلاء، للإمام شمس الدّين محمد بن أحمد بن عثمان (ت-٧٤٨ھ)، تعليق محمد أيمن الشّبراوى، دارالحديث، القاهرة١٤٢٧ھ-٢٠٠٦م

☆ سوانح حيات سلطان ابن سعود ،سردار محمد حسن بى اے، مطبوعه انديا

☆ شاه ولىّ الله اوراُن كى سياسى تحريك، لعبيدالله السّندى، رتّبهٗ: بروفيسر محمدسرور، سنده، ساكراكادمى،لاهور،٢٠٠٢م

☆ شرح مسلم، للنّووى،للامام العلّامة يحيى بن شرف النّووى(ت٦٧٧ھ)، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤٢١ھ- ٢٠٠٠م

☆ الشّفاء بتعريف حقوق المصطفىﷺ(ت-٥٤٤ھ)، دارالكتب العلميّة، بيروت، الطبعة الثانى ١٤٢٢ھ

☆ شفاء السّقام فی زيارة خير الأنام۔ للسُّبکی، الإمام المحدّث تقی الدّين علی الشّافعی (ت٧٥٦ھ)، نوريه رضوية ببلی کيشنز، لاهور

☆ شواهد الحق، للعلّامة يوسف بن إسماعيل النبهانی، مرکز أهل السّنّة، برکات رضا، غجرات، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٥ھ۔ ٢٠٠٤م

☆ صحيح البخاری، للإمام أبی عبداللّٰه محمد بن إسماعيل الجعفی (ت۔٢٥٦ھ)، دارالکتب العلميّة، بيروت، الطّبعة الأولی ١٤١٩ھ۔١٩٩٨م

☆ صحيح مسلم، للإمام أبی الحسين مسلم بن الحجّاج القشيری النّيسابوری (ت٢٦١ھ)، دار أرقم

☆ عَرف الجادی من جنان هدی الهادی ،لنور الحسن خان بهوبالی، المطبع الصّديقی بهوبال

☆ الفتاوی الحديثيّة، للأمام أحمد بن محمد بن حجرالهيتمی المکّی الشافعی (ت:٩٧٣ھ)، مطبوعة مير محمدکتب خانه آرام با غ ،کراتشی۔

☆ الفتاویٰ الحديثية، للأمام أحمد بن محمد بن حجر الهيتمی المکّی الشافعی (ت٩٧٣ھ)، مطبعة مصطفی البابی و أولاد، بمصر ١٣٥٦ھ۔ ١٩٣٧م

☆ فتاویٰ أمجدية۔ للأعظمی، العلّامة أمجد علی، صدر الشّريعة الحنفی (ت ١٣٦٧ھ)، رتّبه عبد المنّان الکليمی، و علّق عليه المفتی محمد شريف الحق الأمجدی، المکتبة الرّضوية، کراتشی، الطّبعة الأولی ١٤١٧ھ۔ ١٩٩٧م

☆ الفَتاویٰ الرَّضَوِيَّة۔ مع التّخريج، لإمام أهل السّنّة، الإمام أحمد رضا بن نقی علی خان الحنفی(ت١٣٤٠ھ)، رضافاؤنديشن، لاهور

☆ فَتْحُ البَاری شرح صحيح البخاری۔ للعسقلانی، الحافظ أحمد بن علی بن حجر الشّافعی (ت٨٥٢ھ)، تحقيق الشّيخ عبدالعزيز بن عبداللّٰه، دارالکتب العلمية، بيروت، الطّبعة الثّالثة ١٤٢١ھ۔ ٢٠٠٠م

☆ الفجر الصّادق، للعلّامة جميل أحمد آفندی ،مطبوعةحقيقت کتابوی،فتح، استنبول، ترکی۔

☆ قبر پرستی، للبروفيسر نور محمد شودری،مطبوعة فيض اللّٰه اکيدمی، أُردوبازار، لاهور، الطّبعة الأولی١٩٩٧م

☆ کتاب هدية المهدی، لوحيد الزّمان خان(ت۔١٣٣٨ھ)، المطبع ميور بريس، دهلی

☆ کشف الظّنّون عن أسامی الکتب والفنون، للمؤرّخ مصطفی بن عبدالله الشهير

بحاجی خليفة وبکاتب جلبی، مؤسّسة التاريخ العربی۔

☆ مشکاة المصابيح، للعلّامة ولیّ الدّين أبی عبدالله محمد بن عبدالله الخطيب (ت۔٧٤١ھ)، تحقيق الشّيخ جمال عيتانی، دارالکتب العلميّة، بيروت، الطّبعة الأولی ١٤٢٤ھ۔٢٠٠٣م)

☆ المُفهِم لما أشکل من تلخيص کتاب مسلم، للإمام الحافظ أبی العبّاس أحمد بن عمر بن إبراهيم (ت٦٥٦ھ)، دار ابن کثير، دمشق، بيروت، الطّبعة الثّالثة١٤٢٦ھ۔ ٢٠٠٥م

☆ مختصر تعارف تحريك وهّابيت، للعلامة فروغ أحمد الأعظمی المصباحی ،مطبوعة جميعة إشاعة أهل السُّنَّة،کراتشی

☆ مختصرهداية المستفيد، لعبدالرحمن بن حسن آل شيخ (مترجم)، مطبوعة دائره نور القرآن، الطّبعة الأولی ١٤٢٦ھ،٢٠٠٥م

☆ المواهب اللدنيّة، للإمام العلامة أحمد بن محمد القسطلانی (ت٩٢٣ھ)، دارالکتب العلمية، بيروت، الطّبعة الأولی ١٤١٦ھ،١٩٩٦م

☆ معجم المؤلِّفين، لعمررضاکحالة، داراحياء التّراث العربیّ، بيروت۔

☆ نهاية المحتاج إلی شرح المنهاج، لشمس الدّين محمّد بن أبی العبّاس أحمد بن حمزه الرّملی (ت۔١٠٠٤ھ)، المکتبة الشّاملة

☆ هِدَاية السَّالك إلی المذاهب الأربعة فی المناسك۔ لابن جماعة، الإمام عزالدّين بن جماعة الکتانی (ت٧٦٧ھ)، تحقيق الدّکتور نورالدّين، دارالبشائرالإسلامية، بيروت، الطّبعة الأولیٰ ١٤١٤ھ۔ ١٩٩٣م